دیوان ذوق

مع

"مختصر حالات تبصرہ و تنقید"

از

خواجہ قمر الدین احمد مالک مطبع "و ممبر مسلم اکاڈمی"

حسب الحکم مولانا حکیم حافظ خواجہ شمس الدین احمد و خواجہ قمر الدین احمد
مالکان مطبع

باہتمام بانکے لال سکسینہ ملازم مطبع

نامی پریس لکھنؤ میں چھپا

جنوری ۱۹۳۶ء

بار ۲

خان بہادر خاقانی ہند شیخ ابراہیم ذوق دہلوی عہ

سنہ ۱۲۰۴ھ میں کابلی دروازہ کے پاس جو دہلی کا ایک محلہ ہے پیدا ہوئے انکے والد شیخ رمضان ایک غریب سپاہی تھے کسی نواب نے معتبر اور دیانتدار آدمی سمجھ کر اپنی حرم سرا کا کاروبار اُنکے سپرد کر رکھا تھا جب سن تعلیم کو پہونچے باپ نے حافظ غلام رسول کے پاس پڑھنے کو بٹھایا۔ جنکے مکتب میں محلہ کے اور لڑکے بھی پڑھتے تھے۔ حافظ جی شاعری سے بھی ذوق رکھتے تھے اور شوق تخلص کرتے تھے شعر جو انکے ورد زبان اکثر رہتے تھے سنتے سنتے انکو بھی بہت سے یاد ہوگئے اور شعر کہنے کی رغبت دلمیں پیدا ہوئی شروع میں حافظ جی سے اصلاح لیتے تھے پھر شاہ نصیر کے شاگرد ہوئے۔ ذہانت اور طباعی خداداد تھی بہت جلد کلام نے شہرت حاصل کر لی، انکی ترقی دیکھ کر استاد کو رشک آنے لگا۔ اور دونوں میں ان بن ہوگئی، مرزا ابو ظفر ولیعہد سلطنت مغلیہ شاعری کے عاشق تھے پہلے شاہ نصیر سے اصلاح لیتے تھے جب وہ دکن چلے گئے تو میر کاظم حسین بیقرار سے تھوڑے روز اصلاح لینے کے بعد ذوق کے شاگرد ہوئے۔ اس سے انکی شہرت کو چار چاند لگے ۱۹ انیس سال کی عمر تھی کہ اکبر شاہ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھ کر پیش کیا جسمیں بہت سی صنعتیں رکھی تھیں اور مطلع اسکا یہ تھا ؎

جبکہ سرطان و اسد مہر کا ٹھہرا مسکن　　آب وایلولہ ہوئے نشونمائے گلشن

اس قصیدہ پر شاہی دربار سے "خاقانی ہند" کا خطاب ملا جب ظفر تخت سلطنت پر بیٹھے قدر و منزلت انکی زیادہ ہوئی ولیعہدی میں للعہ ماہوار مشاہرہ تھا

عہ یہ مضمون مسلم اکاڈیمی کے جلسۂ منعقدۂ ۱۳ اپریل سنہ ۱۹۲۷ء میں پڑھا گیا۔

اب نشہ رہ گئے اور کچھ دنوں کے بعد سو روپیہ ماہوار پانے لگے۔ عید اور نوروز کا جشن ہوتا تو یہ قصیدہ پیش کرتے اور انعام و اکرام پاتے ایکبار بادشاہ بیمار ہوئے جب اچھے ہوئے تو غسل صحت کا جشن منایا انھوں نے قصیدہ گذرانا جسپر خان بہادری کا خطاب اور خلعت اور ہاتھی مع ہودہ نقرئی عطا ہوا۔ پھر ایک قصیدہ پر جسکا مطلع یہ تھا ؎

شب کو میں اپنے سر بستر خواب راحت — نشہ علم میں سر مست غرور و نخوت

بادشاہ نے ایک موضع ان کو دیا،

آفتاب کمال نصف النہار کو پہنچ چکا تھا کہ اٹھسٹھ سال کی عمر میں ۲۴ صفر ۱۲۷۱ھ کو اس جہان فانی سے رحلت کی وفات سے تھوڑی دیر پیشتر یہ شعر کہ اسی وقت موزوں کیا تھا زبان پر تھا ؎

کہتے ہیں ذوق آج جہاں سے گذر گیا — کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

حالات اور خصائل

قد میانہ، رنگ سانولا تھا منہ پر کثرت سے چیچک کے داغ تھے آنکھیں بڑی اور نگاہوں میں چمک تھی، خوش گلو، بلند آواز تھے اور غزل خوب پڑھتے تھے حافظہ غضب کا تھا، نجوم و رمل، طب، تاریخ، تصوف میں کافی دخل رکھتے تھے بہت رحمدل اور رقیق القلب تھے کسی کی تکلیف آنکھ سے دیکھنا گوارا نہ تھی۔ بزرگان دین سے خاص عقیدت رکھتے اور وظائف و اوراد کے سخت پابند تھے طبیعت میں کمال استغنا تھا دیوان چندو لال نے دکن بلا بھیجا یہ نہ گئے اور اپنی ایک غزل بھیجدی جسکا مقطع تھا۔

ان دنوں گرچہ دکن میں ہے بڑی قدرِ سخن کون جائے ذوقؔ پر دلی کی گلیاں چھوڑ کر

اُنھوں نے دوبارہ خلعت اور روپے بھیجکر بلایا مگر یہ نہ گئے اور قناعت کا دامن پکڑے رہے شعر سے مناسبت ازلی رکھتے تھے اور رات دن اسی دھن میں لگے رہتے تھے مزاج میں خودداری بہت تھی اور نشۂ کمال یا تیزیٔ طبیعت کی وجہ سے کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے لیکن جو جھک کر ملتا اس سے انکساری برتتے تھے، جواں بخت بہادر شاہ کے چہیتے بیٹے تھے، انکی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی، مرزا غالب نے ایک سہرا کہکر بڑے طمطراق سے پیش کیا مقطع اسکا یہ تھا ؎

ہم سخن فہم ہیں غالبؔ کے طرفدار نہیں دیکھیں اس سہرے سے کہدے کوئی بہتر سہرا

چونکہ اسمیں ذوقؔ پر ظاہرا چوٹ تھی بہادر شاہ کو ناگوار گذرا اور ذوق کو سہرا لکھنے کا حکم دیا۔ یہ بھی کہا کہ استاد! ذرا مقطع پر نگاہ رکھنا۔ اُنھوں نے برجستہ سہرا کہکر یہ شعر اسمیں شامل کر کے سنایا ؎

جسکو دعویٰ ہو سخن کا یہ سنا دے اسکو دیکھ اسطرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا

غالب کو خبر ہوئی تو بہت گھبرائے اور ایک قطعہ معذرت میں لکھکر حضور میں گذرانا جسمیں یہ شعر بھی تھا ؎

استادِ شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے

ذوقؔ کے عہد میں بڑے بڑے اساتذہ فن دہلی اور لکھنؤ میں موجود تھے مومنؔ غالبؔ، ناسخؔ، آتشؔ، وزیرؔ کا وہی زمانہ تھا۔ اور سب اپنے اپنے کمال کے جوہر دکھا رہے تھے۔

ذوقؔ کے شاگردوں میں داغؔ اور آزادؔ بہت مشہور ہوئے داغ شاہ دکن کے

استاد بنے اور سلاست زبان کے بادشاہ مانے گئے، آزاد نے انشا پردازی کا وہ طرز نکالا کہ نثر کو مرصع کر کے اسکا پایہ نظم سے بڑھایا اور اردو زبان کے سب سے بڑے انشا پرداز قرار پائے انکے مشہور تذکرہ آبحیات سے ہمارے شعرا کو جسطرح زندگی جاوید نصیب ہوئی خود آزاد کا نام بھی اسکی بدولت ابدالآباد تک باقی رہیگا۔

انداز کلام

ذوق قادر الکلام اور زبردست شاعر تھے اور بعض خصوصیات کے لحاظ سے سودا کے جانشین قرار پائے۔ انکو زبان اور محاورات پر کامل عبور حاصل تھا طبیعت میں بلا کی تیزی اور روانی تھی۔ اور کہیں پر رکتی نہ تھی، دہلی کے شعرا متاخرین میں صفائی زبان زور سخن اور سادگی بیان میں کوئی شاعر انکا ہم پلہ نہ ہوا۔ ان کی غزلوں میں زبان اور محاورہ کا مزا ملتا ہے۔ نئے نئے عاشقانہ مضامین سے دماغ کو شگفتگی اور تازگی حاصل ہوتی ہے وہ تشبیہ اور استعارات کے اینچ پیچ میں بہت کم پڑتے ہیں اور جو کہتے ہیں اس زور اور سادگی سے کہتے ہیں کہ بیساختہ تعریف زبان سے نکل جاتی ہے وہ غالب اور مومن کی طرح نازک خیالی اور معنی آفرینی کی دھن میں نہیں پڑتے بلکہ قدما کی طرح مضامین کو صاف و سلیس زبان اور پرزور کلام میں ادا کرکے تاثیر بیان کے جوہر دکھاتے ہیں جس سے انکی باتیں دلوں میں تیر و نشتر کی طرح اتر جاتی ہیں، اور دماغ کو لطف و مسرت بخشتی ہیں، انکے تخیل کا رنگ شعرا لکھنؤ سے ملتا جلتا ہے بلکہ بیشتر کلام کا حصہ ایسا ہے کہ اسیر ناسخ و آتش کے کلام کا دھوکہ ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس زمانہ میں جو قبول عام ذوق کے کلام کو حاصل ہوا وہ غالب و مومن کو نصیب نہ ہوا

کیونکہ اسوقت جو طرز تخیل شعرائے لکھنؤ نے نکالا تھا زمانہ میں مقبول اور وہی پسند تھا غالب و مومن روش عام سے الگ ہو کر چلتے تھے اور نازک خیالی و معنی آفرینی کے درپے رہتے تھے جس سے انکی غزلیں چیستان بن گئی تھیں اور شاعری زبان فارسی ترکیبوں اور بندش سے مغلق اور گرانبار ہو گئی تھی۔ ذوق مرحوم نے اسکو صفائی اور سلاست سے آئینہ کیطرح شفاف اور براق کر دیا۔ اور جن مضامین پر قدما طبع آزمائیاں کر چکے تھے انھیں میں اپنی فکر رسا سے نئے نئے گل بوٹے کھلائے اور تر و تازہ گلدستے انسے تیار کر کے مشام دماغ کو معطر کیا، انکے الفاظ اور ترکیبوں کی بندش اسقدر چست اور ہر پہلو سے درست ہوتی ہے کہ مجال کیا کوئی کسی لفظ یا ترکیب کو اپنی جگہ سے ہٹا سکے بلکہ خوبی نظم کا یہ عالم ہوتا ہے کہ جہاں ذرا جی چاہے نظم کو نثر کر دیجئے اور گھٹانا یا بڑھانا نہ پڑے، انکی ہر غزل کا مطلع خاص شان کا ہوتا ہے جو پوری غزل کو چمکا دیتا ہے۔ وہ مشکل مشکل قافیوں کو اس آسانی سے باندھتے ہیں کہ دوسرا شاعر آسان قافیوں کو بھی اتنی خوبی سے نہیں باندھ سکتا لتھیڑ اور نبیڑ کے قافیہ میں پوری غزل کو پڑھئے دیکھئے سنگلاخ قافیوں کو کس سہولت سے نظم کر گئے ہیں چند اشعار درج ذیل ہیں ؎

رند خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو
تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

ناخن نہ دے خدا تجھے اے پنجۂ جنوں
دے گا تمام عقل کے بخیے ادھیڑ تو

عمر رواں کا توسن چالاک اس لئے
تجھ کو دیا کہ یہاں کرے جلد ایڑ تو

اس صید مضطرب کو تامل سے ذبح کر
دامان و آستیں نہ لہو میں لتھیڑ تو

آوارگی سے کوئے محبت کی ہاتھ اٹھا
اے ذوق یہ اٹھا نہ سکیگا کھکھیڑ تو

ضرب المثل اور محاوروں کی انکے یہاں بڑی کثرت ہے اور انکو جس خوبی سے شعر میں وہ کھپاتے ہیں انھی کا حصہ ہے تمثیلاً چند اشعار درج ذیل ہیں ۔

ہونا عاشق سونچکر اس دشمن ایمان کا
دل نہ کر جلدی کہ جلدی کام ہی شیطان کا

گل اس نگہ کے زخم رسیدوں میں ملگیا
یہ بھی لہو لگا کے شہیدوں میں ملگیا

مرے نالوں سے چپ ہیں مرغ خوش الحاں زمانہ میں
صدا طوطی کی سنتا کون ہے نقارخانہ میں

جس جگہ بیٹھے ہیں با دیدۂ نم اٹھے ہیں
آج کس شخص کا منہ دیکھ کے ہم اٹھے ہیں

نہ ڈال آبلہ اے گرمی فغاں منہ میں
کہ چپکا بیٹھا ہوں بھر کے گھنگنیاں منہ میں

سینہ و دل پہ مرے زخم جگر ہنستے ہیں
ہنسنے دو چارہ گر و ہنستے ہی گھر بستے ہیں

بجا کہے جسے عالم اسے بجا سمجھو
زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

دکھا دم نزع دلآرام کو
عید ہوگی ذوق تڑپے شام کو

تو جان ہے ہماری اور جان ہے تو سب کچھ
ایمان کی کہیں گے ایمان ہے تو سب کچھ

پیچھے ہیں سے آنسوؤں کا راستہ کسکی سا قیامت چوری
خدا کی گر نہیں چوری تو پھر بندے کی کیا چوری

کھلے گل کچھ تو بہار اپنی صبا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

دشنام ہو کے وہ ترش ابرو ہزار دے
یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

اے ذوق دیکھ دختر رز کو نہ منہ لگا
چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

لیتے ہی دل جو عاشق دلسوز کا چلے
تم آگ لینے آئے تھے کیا آئے کیا چلے

گر آدمی ہو مجھ سے چلے وہ کعبہ کے سفر سے
تو جاؤ پھر سے شیخ جی اللہ کے گھر سے

ان اشعار میں بعض مصرعے ایسے ہیں کہ زبان زد عام ہو کر خود ضرب المثل

بن گئے ہیں اور یہ کلام کی مقبولیت کی دلیل ہے۔

ذوق مرحوم کے یہاں شعراء لکھنؤ کی طرح صنعت مراعات النظیر بہت ہے اور گو کہیں کہیں لفظ پرستی اور تکلف کی حد تک پہنچ گئی ہے لیکن اکثر وہ بے ساختگی اور لطف کے ساتھ ہے، مثلاً ؎

اِس سے تو اور آگ وہ بیدرد ہو گیا
اب آہ آتشیں سے بھی دل سرد ہو گیا

کہے ہے خنجر قاتل سے یہ گلو میرا
کمی جو مجھ سے کرے سو پیے لہو میرا

ہوس ہیں کعبہ کی کیوں شیخ بت خانہ سے گمرہ ہے
یہاں تو کوئی صورت بھی ہے واں اللہ ہی اللہ ہے

آگ دوزخ کی بھی ہو جائیگی پانی پانی
جبکہ عاصی عرق شرم میں تر جائینگے

تجھے اے سنگدل آرام جان مبتلا سمجھے
پڑیں پتھر سمجھ پر اپنی ہم سمجھے تو کیا سمجھے

کون وقت اے وائے گذرا جی کو گھبراتے ہوئے
موت پڑتی ہے اجل کو یہاں تلک آتے ہوئے

مقابل اس رخ روشن کے شمع گر ہو جائے
صبا یہ دھول لگائے کہ بس سحر ہو جائے

اشعار ذیل میں بفائدہ لفظ پرستی کے سوا کچھ نہیں ہے ؎

دل شکستہ مگر اس یار نے ہم کو سمجھا
خط بھی جو خط شکستہ سے ہے ہم کو لکھا

اے اجل تکلیف مت کر کیا کریگی آن کر
ہو چکا پہلے ہی میں کشتہ کسی کی آن کا

ہل گیا طفلی ہی سے دل ہیں ترا ذوق عشق
بھاگے ہیں مکتب سے ہم اوراق میزاں چھوڑ کر

ہو سکے ایک بوسہ پر ترش ابرو
ڈالتا بات کو کھٹائی میں

ہاں کچھ تو ہو حاصل ثمرِ نخلِ محبت   یہ سینہ پہ پھپھولوں کے جو پھل جائے تو اچھا

اشعار ذیل میں بالکل ناسخ کا انداز ہے ؎

میں جو شہید ہوں لبِ خندانِ یار کا   کیا کیا چراغ ہنستا ہے میرے مزار کا
دفن ہے جس جا پہ کشتہ سرو صحری کا ترے   بیشتر ہوتا ہے پیدا واں شجر کافور کا
گر ترے فریادیوں کے نامۂ سیجیدہ کو   لب پہ رکھ کر پھونکیے پیدا ہو نالہ صور کا
یاد آ گیا ترا قد موزوں جو باغ میں   کیا کیا لپٹ کے روئے ہیں سرو چمن کے ساتھ

دیکھو آتش کی ایک غزل کا مطلع ہو وہ اس سے کسقدر ملتا ہے ؎

قد موزون جاناں جب چمن میں یاد کرتے ہیں   تو پہروں ٹھوکریں نالے تہ شمشاد کرتے ہیں
پڑے تسبیح زاہد پر نگاہ مست گر اسکی   تو ٹپکے بادۂ انگور اسکے دانہ دانہ سے

ناسخ کا مشہور مطلع ہے ؎

مرتبہ کم حرص رفعت میں ہمارا ہو گیا   آفتاب اتنا ہوا اونچا کہ تارا ہو گیا

ذوق کہتے ہیں ؎

نام یوں پستی میں بالاتر ہمارا ہو گیا   جسطرح پانی کنوئیں کی تہ میں تارا ہو گیا

سودا کا شعر ہے ؎

سمندر رکھ دیا نام اسکا ناحق سب نے کہہ کہہ کر
ہوئے تھے جمع کچھ آنسو مری آنکھوں سے بہہ بہہ کر

ذوق کہتے ہیں ؎

اب ان کو شش جہت میں ہفت دریا لوگ کہتے ہیں
گرے تھے اشک کے قطرے مرے دو چار دامن سے

ذوق کے یہاں عام شعرا کی طرح بعض جگہ ابتذال بھی ہے مثلاً ؎

اس نزاکت پر نظر کرنا کہ وہ رشک پری ‌ ‌ ‌ ‌ بال بھی باندھے جو مسے پر تو زلف حور کا
کشتوں کا اس مانگ سے یاں پتہ ہے ‌ ‌ ‌ ‌ کہ ان تیرہ بختوں کے مرقد پر کوئی
اگر سنگ موسیٰ کا تعویذ رکھ دے ‌ ‌ ‌ ‌ تو رکھتے ہی بس درمیاں سے وہ شق ہو

لیکن اس کی مثالیں خال خال ملتی ہیں وہ اگر کوئی مبتذل مضمون بھی باندھتے ہیں تو الفاظ کی چستی اور کلام کے زور سے اسکو ابتذال سے بہت کچھ بچا لیتے ہیں۔

ذوق کا دیوان اگرچہ مختصر ہے مگر جو غزل ہے انتخاب ہے، شروع سے آخر تک پڑھتے جائیے کیا ممکن ہے کہ لطف اور مزے میں کہیں پر فرق آئے۔ خصوصاً ایک زباں شناس کے واسطے تو اس میں بہت سی خوبیاں ہیں، اور روزمرہ محاورات پاکیزہ بیانی کے ایسے ایسے نمونے ہیں جنکا شمار نہیں ہو سکتا، چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

شکر پردہ ہی میں اس بت کو حیا نے رکھا ‌ ‌ ‌ ‌ ورنہ ایمان گیا ہی تھا خدا نے رکھا

اس شعر میں مضمون کی خوبی اور زبان کی سلاست کی تعریف نہیں ہو سکتی،

میں ہجر میں مرنے کے قریب ہو ہی چکا تھا ‌ ‌ ‌ ‌ تم وقت پہ آ پہنچے نہیں ہو ہی چکا تھا،

ہو ہی چکا تھا یعنی مر ہی چکا تھا۔ غالباً دلی کا محاورہ ہے جسکو نہایت مزے کی اور صفائی سے مصرع ثانی میں باندھا ہے ؎

فرقت سے تری تار نفس سینہ میں مرے ‌ ‌ ‌ ‌ کانٹا سا کھٹکتا ہے نکل جائے تو اچھا

تار نفس کو کانٹے سے تشبیہ دیکر سینے میں اسکے نکل جانے [illegible]

مرجانے کی خواہش اور جینے سے بے زاری کا اظہار کس خوش اسلوبی سے کیا ہے؟

محفل میں شور قلقل مینائے مُل ہوا　　لا ساقیا پیالہ کہ توبہ کا قُل ہوا

قل ہونا بمعنے خاتمہ ہونا محاورہ ہے، توبہ کا قل ہونا نیا محاورہ باندھا ہے اور اسمیں شوخی بھی ہے۔ لا ساقیا سے شوق و بیتابی دکھائی ہے شعر پرزور اور سلیس ہے،

خط پڑھکے اور بھی ہوا وہ پیچ و تاب میں　　کیا جانیں لکھدیا اسے کیا اضطراب میں

معشوق ایک تو یونہیں خفا تھا خط پڑھکر اسے اور بھی غصہ آیا، خط کیلئے پیچ و تاب کا لفظ کتنا مناسب ہے۔ اگر یہ کہتے کہ خط پڑھکر اسے پیچ و تاب ہوا تو یہ بات پیدا نہوتی جو یہ کہنے سے ہوئی کہ خط پڑھکر وہ اور بھی پیچ و تاب میں ہوا۔ مصرع ثانی کی بلاغت کی تو تعریف نہیں ہو سکتی اضطراب کی حالت اور اپنی پریشانی کو کیا جانیں لکھدیا اسے کیا سے ظاہر کیا ہے جس سے بہتر اور مختصر صورت اظہار ممکن نہ تھی۔

وقت پیری شباب کی باتیں　　ایسی ہیں جیسی خواب کی باتیں

پیری میں شباب کی باتوں کو خواب کی باتوں سے تشبیہ دیکر مختصر الفاظ میں جو تصویر کھینچدی ہے، وہ کسقدر صاف اور پُر اثر ہے۔

تصور کسطرح بھولے ترا اس چشم گریاں کو　　نکالے مینھ برستے میں کوئی کسطرح مہماں کو

مصرع اول میں جو دعوے کیا ہے اسکی مصرع ثانی میں شاعرانہ دلیل کتنی اچھی پیش کی ہے سچ تو یہ ہے کہ پہلے مصرعے پر اس سے بہتر دوسرا مصرع نہیں لگ سکتا تھا اور یہی دلیل استادی ہے۔

ہاے صیاد تو آیا مرے پر کاٹنے کو　　میں تو خوش تھا کہ چھری لایا ہے سر کاٹنے کو

خالی مصرعہ اول کو پڑھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ پر کاٹنے پر اضطراب ہے، دوسرے مصرع میں شاعر اصل مطلب ظاہر کرتا ہے کہ پر کاٹنے کا صدمہ نہیں ہے۔ صدمہ اس بات کا ہے کہ چھری لیکر آیا تو سر کیوں نہ کاٹ لیا۔ اس شعر میں تحسر اور زندگی سے انتہائی بیزاری کو نہایت خوبی سے دکھایا ہے۔ اور مصرع ثانی کیساتھ مصرع اول میں خاص خوبی پیدا ہو جاتی ہے۔

یا تو یاس دوستی تجھ کو بت بیباک ہو — یا مجھی کو موت آجائے کہ قصہ پاک ہو

یہ حافظ کے اس شعر سے قریب المأخذ ہے مگر اس سے زیادہ پُراثر اور سلیس ہے ؎

یا وفا یا خبر مرگ و یا موت رقیب — بازی چرخ ازیں یک دو سہ کارے بکند

رقعہ چوری سے اسے بھیجا ہے انجان کے ہاتھ — کیسی رسوائی ہو پڑ جائے جو دربان کے ہاتھ

شعر کی صفائی اور سلاست ظاہر ہے۔ مصرع دوم میں استفہام سے اضطراب کا بیساختگی کیساتھ جسطرح اظہار کیا ہے اسکی کسطرح داد دیجائے۔ یہاں پر "رسوائی ہے" کہا "رسوائی ہو" نہیں کہا کہ اسمیں زور نہ ہوتا۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائینگے — مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائینگے

اس شعر کی لطف و خوبی بیان سے باہر ہے۔ مرزا غالب نے بھی کسی رقعہ میں اسکی نسبت لکھا ہے کہ "ہائے کسی کا کیا اچھا شعر ہے"۔

کتنے مفلس ہو گئے کتنے تونگر ہو گئے — خاک میں جب مل گئے دونوں برابر ہو گئے

کہتے ہیں کہ دنیا میں بہت سے لوگ مالدار ہو گئے اور بہت سے مفلس رہے لیکن مرجانے پر پھر کوئی امتیاز دونوں میں نہ رہا کہ کون مفلس تھا اور کون مالدار تھا۔ دیکھئے مصرعہ ثانی میں کس صفائی سے دونوں کو برابر کیا ہے اور مساوات دکھائی ہے۔

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے — اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

اس شعر میں اپنی مجبوری اور موت و زلیست کے بارے میں بے بسی کو بہت خوبی سے دکھایا ہے۔

بعض ناواقف کہتے ہیں کہ ذوق کے یہاں فقط باتیں ہی باتیں ہیں مضامین کچھ نہیں یہ سخت ناانصافی ہے انکے یہاں مضامین و مطالب کی قلت نہیں، البتہ طرز بیان سادہ اور سلیس ہے اور اسی میں انکو جو کہنا ہوتا ہے وہ کہتے ہیں۔ شاعر کو غزل میں عاشقانہ جذبات ظاہر کرنا ہوتے ہیں اور انہیں نئی بات پیدا کرنے کا نام معنی آفرینی ہے اب انصاف سے دیکھئے کہ ذوق کے یہاں اسکی کتنی کثرت کے ساتھ نایاب مثالیں موجود ہیں۔ نمونے کے طور پر چند اشعار درج ذیل ہیں ملاحظہ فرمائیے ۔

اس تپش کا ہے مزا دل ہی کو حاصل ہوتا — کاش میں عشق میں سر تا بقدم دل ہوتا

کہتے ہیں کہ کاش! میں عاشق ہوا تھا تو سر سے پیر تک دل ہی دل ہوتا کہ تپش عشق کی لذت جو خالی دل کو میسر ہے وہ تمام بدن کو حاصل ہوتی مضمون بالکل نیا اور لطیف ہے

ہستی سے زیادہ ہے کچھ آرام عدم میں — جو جاتا ہے یہاں سے وہ دوبارہ نہیں آتا

مرنے کے بعد جو انسان دوبارہ لوٹ کر واپس نہیں آتا اسکی کتنی عمدہ توجیہہ کی ہے کہ معلوم ہوتا ہے عدم آباد میں جانے والے کو کچھ ایسا سکھ اور آرام ملتا ہے کہ وہ واپسی کا خیال بھی نہیں کرتا کیونکہ قاعدہ ہے کہ جس جگہ انسان کو راحت و آسائش بہم پہنچ جاتی ہے اس جگہ کو چھوڑنا ناپسند کرتا ہے، اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ دنیا میں رہ کر رنج و تکلیف اٹھانے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

باعث رشک ہوا عشق ہمارا ہم کو — تجھ بن دیکھے ہی غش جسنے کہ دیکھا ہمکو

ہماری شیفتگی اور محبت کا حال دیکھ کر لوگ معشوق پر بن دیکھے عشق ہو جاتے ہیں کچھ اسمیں کچھ تو ایسا حسن ہو جو یہ اسد رجہ اُسکا عاشق ہو نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارا ہی عشق ہمارے واسطے وبال اور رشک ورقابت کا باعث ہو رہا ہو۔ اسمیں اپنے عشق کے افراط و کمال کیجانب بھی لطیف اشارہ ہے اور نیا مضمون ہے۔

آسماں اور وہ انسان بناتا ہم کو　　　خاک میں تھا مگر اس ڈھب سے ملانا ہم کو

ہمکو خاک میں ملانا یا برباد کرنا مقصود تھا جو انسان بنایا ورنہ آسمان سے اسکی کب توقع ہو سکتی تھی کہ وہ ہمکو شرف انسانیت بخشتا مطلب یہ ہو کہ اسنے جو ہمارے ساتھ بظاہر نیکی کی وہ نیکی کی غرض سے نہ تھی بلکہ اسمیں ہمارے واسطے برائی پوشیدہ تھی۔

دانہ خرمن ہی ہمیں قطرہ ہی دریا ہم کو　　　آئے ہی جز میں نظر کل کا تماشہ ہم کو

مضمون اگرچہ نیا نہیں ہو مگر جس رنگ میں باندھا ہو اسمیں ضرور جدت اور خوبی ہو

اے شمع تیری عمر طبیعی ہو ایک رات　　　ہنس کر گذار یا اسے رو کر گذار دے

انسان جتنی زندگی ازل سے لکھوا کر لایا ہے اسکو بہر طور پورا کرنا ہو۔ چاہے ہنسی خوشی بسر کرے یا رو پیٹ کر گذارے مصرع اول میں شاعر قلب انسان کو تسکین بھی دیتا ہے۔ ایام مقررہ تک جب جینا ہو اور اُسکے آگے خاتمہ ہے تو پھر اس درجہ مضطرب کیوں ہوتا ہے۔

یہ اقامت ہمیں پیغام سفر دیتی ہے　　　زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے

فلسفیانہ مضمون ہو ہر کام کی ابتدا اسکی انتہا کی تمہید ہوا کرتی ہو جسطرح اقامت سفر کی دلیل ہو۔ زندگی موت کا پیش خیمہ ہے۔

بیقراری کا سبب ہر کام کی اُمید ہے　　　نا امیدی ہو تو پھر آرام کی اُمید ہے

کتنا سچا اور فلسفیانہ مضمون ہے۔ دنیا میں امید ہی وہ چیز ہے جسکے لگاؤ سے انسان سب کچھ کرتا ہے اور طرح طرح کے صعوبات اُٹھاتا اور آسرے لگاتا ہے۔ اگر اُمید اٹھا دی تو پھر کوئی فکر کوئی تکلیف کوئی رنج و پریشانی باقی نہیں رہتی۔

اے ذوق کسی ہمدم دیرینہ سے ملنا　　　بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

دنیا میں انسان کو کسی قدیم دوست سے ملکر جو خوشی ہوتی ہے۔ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو آشنایان محبت اور سچی دوستی کے قدردان ہوتے ہیں۔ اس نعمت کا اظہار ذوق مرحوم نے کتنے عمدہ پیرایہ میں کیا ہے کہ ہمدم دیرینہ کا ملنا ملاقات مسیحا و خضر سے کہیں بہتر ہے۔

فائدہ دے ترے بیمار کو کیا خاک دوا　　　اب تو اکسیر بھی دیجئے تو ضرر دیتی ہے

جب بیماری لاعلاج ہو جاتی ہے تو اچھی سے اچھی دوا بھی اپنا اثر الٹا دکھاتی ہے۔ مرض محبت کے لاعلاج ہونے کیطرف مصرع ثانی میں کیا اچھا اشارہ ہے۔

قصائد میں ذوق کا پایہ بہت بلند ہے، اور سودا کے بعد انھیں کا نمبر ہے، اور کیوں نہو روانی طبیعت کیساتھ کلام میں خداداد زور و شکوہ ہے اور زبان پر حاکمانہ قدرت رکھتے ہیں اور یہی چیزیں قصیدے کی روح رواں ہیں پھر قرب سلطانی سے قصیدہ گوئی کی ضرورت پیش آتی رہی اور انعام و اکرام سے ہمت افزائی ہوتی رہی، انکے دیوان میں جسقدر قصائد ہیں بادشاہ کی مدح میں ہیں۔

مرزا ابوظفر جب بادشاہ ہوئے تو انھوں نے سب سے اول یہ قصیدہ لکھ کر پیش کیا ؎

رو کش ترے ہو رُخ سے کیا نور سحر رنگ شفق　　　ہے ذرّہ تیرا پر تو نور سحر رنگ شفق

اس معجز نما قصیدے میں ۳۲ شعر ہیں، ایسے مشکل ردیف و قافیہ میں اتنے نفیس اور

مرصع اشعار کا قصیدہ اردو زبان میں مشکل سے نکلیگا۔

ایک اور قصیدہ جو بادشاہ کے غسل صحت پر گذرانا تھا یہ ہے ؎

واہ وا کیا معتدل ہے باغ عالم کی ہوا   مثل موج صاحب صحت ہے ہر موج صبا

ایک اور قصیدہ جو بہت طولانی ہے بادشاہ کی مدح میں پیش کیا تھا اسمیں مختلف علوم کے مسائل کا ذکر کر کے اپنی وسیع النظری اور قابلیت کا کمال دکھایا ہے بعض قصائد تہنیت عید و نوروز میں ہیں بعض دوسرے موقعوں پر لکھے ہیں"

انکا سہرا جو غالب کے سہرے کے جواب میں ہے اگرچہ اس مرتبہ کا تو نہیں ہے جس مرتبہ کا غالب کا ہے۔ مگر برجستہ اور سلیس ہونیکے لحاظ سے بہت کچھ قابل ستائش ہے۔

دیوان میں چند رباعیاں بھی ہیں اور بہت اچھی ہیں۔ ناتمام غزلیں، اور خالی مطلعے بکثرت ہیں کاش انکی پوری غزلیں ملتیں تو اہل نظران جواہر کو آنکھوں سے لگاتے نہیں معلوم کہ زمانہ نے انکو کہاں تلپٹ کر دیا کہ کہیں سراغ نہ لگا خیر انکا کلام جو کچھ سامنے موجود ہے وہی نظم اردو کیواسطے بہتر سرمایہ ہے۔

راقم

(خواجہ) قمر الدین احمد

ممبر مسلم اکاڈیمی لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہوا حمد خدا میں دل جو مصروف رقم میرا
الف الحمد کا سا بن گیا گویا قلم میرا

صراط عشق پر از بسکہ ہو ثابت قدم میرا
دم شمشیر قاتل پر بھی خوں جاتا ہو جم میرا

ہوا یہ سینۂ پرخار زار دشت غم میرا
کہ آیا یاں بجز آں آشفتہ ہو کر لب پہ دم میرا

وہ دل میں گیسوئے موج محیط اعظم وحشت
کہ ہو گھیرے سے جس کے تنگ زمیں کو پیچ و خم میرا

نشان سبحہ ریاجی گر دکھائے زور مسیحا سے
جھپک سے دیدۂ صراف سے نقش درم میرا

وہ تنہا نہیں رہ نورد شوق میرے ساتھ جاتا ہے
بہ رنگ سایۂ مرغ رہا نقش قدم میرا

ہوئے دو قرن ترک سجدۂ ابلیس سے آدم
بدی کی سرکشی سے ذوق کب تسلیم خم میرا

شوق تھا از بسکہ جویائے اس رخ پرنور کا
ہے مرا مرغ نظر پروانہ شمع طور کا

اے صنم کیا پوچھتا ہے حال اس رنجور کا
دل ہوا اس کا لئے کہیں انشہ بے مقدور کا

لطف پیاتا ہے سرود نالۂ پرشور کا
خون دل پیتا ہو یہ کھانا مجھے سیندور کا

وادی ظلمت میں اپنے دخل کب ہے نور کا
ہر اک شعلہ سا ہو سو بھی چراغ دور کا

گر سکوں مشہور اپنے نالۂ پرشور کا
یوں صبر جانا ہے کہ میں کام بانگ صور کا

تیغ میں بھی دھیان تھا اس نرگس مخمور کا
مجھ کو شربت میں مزہ آیا ہے انگور کا

تیرے کوچے میں تن لاغر ترے رنجور کا
اک غبار ناتواں ہے کاروان مور کا

باندھو نہیں مضموں جو اپنی شور بختی کا کوئی
ہو زمیں میں شعر میں عالم زمین شور کا

میں وہ ہوں نخچیر جسکو دیکھتا ہے وقت ذبح
دیدۂ حسرت سے حلقہ جوہر ساطور کا

اس نزاکت پر نظر کرنا کہ وہ رشک پری
بال بھی باندھے جو مستی پر تو زلف حور کا

دل کا یہ احوال ہے غم سے ترے اے مست ناز
جیسے مرجھایا ہوا دانہ کوئی انگور کا

تفتہ دل وہ ہوں کہ میرے داغ سوزاں کیلئے
گرمی مرہم سے اڑ جائے اثر کافور کا

گر ترے فریادیوں کے نامۂ پیچیدہ کو
لب پہ رکھ کر پھونکئے پیدا ہو نالہ صور کا

حق تو یوں ہے یہ انانیت عجب غماز ہے
قصہ پہونچایا زبان دار پر منصور کا

عشق کے مکتب میں ہو فرہاد سے تیز ذہن
ذہن بن جائے اگر تعویذ میرے گور کا

زخم میرا ہو وہ ایذا دوست خوں رونے لگے
منہ سے گر جراح کے سن پائے نام انگور کا

جھانکتے تھے وہ کہیں جب روزن دیوار سے
وائے قسمت ہو گئی روزن میں گھر زنبور کا

دفن ہے جس جا پہ کشتہ سرد مہری کا ترے
بیشتر ہوتا ہے پیدا واں شجر کافور کا

تو ہو بعد از مرگ بھی گر اے محبت دستگیر
استخواں سے ہو مرے دستہ ترے ساطور کا

عشق نے ڈالی تھی جب قصر محبت کی بنا
لکھدیا تھا کوہکن بھی نام اک مزدور کا

بلبل وحشت ابتک بھی شاخ آہو کی طرح
پیچ کھاتا ہے دھواں سینے سے چراغ گور کا

دیکھنا ہے اب پیکان محبت کا اثر
چشم افعی بن گیا روزن ہر اک ناسور کا

کھینچے مانی اس پری کی کیونکہ تصویر کفک
جمع ہو جب تک نہ رنگ سرخ رشک حور کا

تیرے قامت سے جو برپا ہے قیامت شہر پر
کام ہے منقار سے فریاد قمری صور کا

ذوق راہ عشق وہ کوچہ ہو جسکی خاک میں
ہو دُر تاج سلیماں بیضہ بیضہ مور کا

لکھے اسے خط میں کہ ستم اٹھ نہیں سکتا
پر ضعف سے ہاتھوں میں قلم اٹھ نہیں سکتا

بیمار ترا صورت تصویر نہالی
کیا اٹھے سر بستر غم اٹھ نہیں سکتا

آتی ہے صدا اسکے جرس نالہ کشیدہ
صد حیف کہ تھکی کا قدم اٹھ نہیں سکتا

جوں دانۂ روئیدہ تہِ سنگ ہمارا
سر زیرِ گرانبارِ الم اٹھ نہیں سکتا

ہر داغِ معاصی مرا اس دامنِ تر سے
جوں حرفِ سرِ کاغذِ نم اٹھ نہیں سکتا

اتنا ہوں تری تیغ کا شرمندۂ احساں
سر میرا ترے سر کی قسم اٹھ نہیں سکتا

پردہ درِ کعبہ سے اٹھانا تو ہے آساں
پر پردۂ رخسارِ صنم اٹھ نہیں سکتا

کیوں اتنا گرانبار ہے جو رخصتِ سفر بھی
لیتے راہ روِ ملکِ عدم اٹھ نہیں سکتا

دنیا کا زر و مال کیا جمع تو کیا ذوق
کچھ فائدہ بے دستِ کرم اٹھ نہیں سکتا

واہ کیا مرہمِ زخم دلِ بیتاب بنا
آب سے نشترِ تیز کے تیزاب بنا

نام منظور ہے تو فیض کے اسباب بنا
پل بنا چاہ بنا مسجد و تالاب بنا

دلِ بیتاب کو ہم سینے میں ٹھہرا سکے
شعلۂ خوں دیکھتے ہی مجکو وہ سیماب بنا

پوچھیں گر مجھ سے کوئی عیش ہوئی کب تلخ
کہوں جس دن کہ فلک کا سر زہرآب بنا

چشمِ مخمور کا ہوں کس کے میں کشتہ یا رب
کہ مری خاک سے بھی جامِ مئے ناب بنا

تیرہ روزی نے مرے مہرِ جہانتاب کا نور
دیا جس وقت اڑا کر کہ شبتاب بنا

ہائے پچھتاتا ہوں کیوں اس سے کیا میں نے نگاہ
کہ جواب پھرتا ہوں اسطرح سے بیتاب بنا

سرمۂ چشمِ عزیزاں نہ بنا میں اے چرخ
کیا بنا خاک غبارِ دلِ احباب بنا

آیتِ سجدہ ہے حق میں مرے ہر جوہرِ تیغ
ہے خمِ تیغ فقط کیا خمِ محراب بنا

خالِ رخسارِ حسیں ہندو ہے بلا سے کافر
تیرہ بختوں کے لیے ذبح کو قصاب بنا

تو اگر آپ کو دیکھے تو مری آنکھ سے دیکھ
اپنا آئینہ مرا دیدۂ پر آب بنا

آہ کے ساتھ جو نکلا شررِ آتشِ دل
چرخ پر جا کے وہ خورشیدِ جہانتاب بنا

نہ بجھے اشک کے دریا سے مری سوزشِ دل
گرچہ ہر شعلۂ جوالہ کو گرداب بنا

جب کیا عشق کے دریا نے تلاطم اے ذوق
تو کہیں موج بنی اور کہیں گرداب بنا

لیے ہمنے بہت ڈھونڈھا نہ پایا — اگر پایا تو کھوج اپنا نہ پایا
جس انساں کو سگ دنیا نہ پایا — فرشتہ اسکا ہمسایہ نہ پایا
مقدر ہی پہ گر سود و زیاں ہے — تو ہمنے یاں نہ کچھ کھویا نہ پایا
لحد میں بھی ترے مضطر نے آرام — خدا جانے کہ پایا یا نہ پایا
سراغ عمر رفتہ ہو تو کیونکر — کہیں جسکا نشاں پایا نہ پایا
رہ گم گشتگی میں ہمنے اپنا — غبار راہ بھی عنقا نہ پایا
رہا ٹیڑھا مثال نیش کژدم — کبھی کج فہم کو سیدھا نہ پایا
تہ خنجر ترے بسمل نے ہے ہے — ذرا قابو تڑپنے کا نہ پایا
احاطے سے فلک کے ہم تو کب کے — نکل جاتے مگر رستہ نہ پایا
جہاں دیکھا کسی کے ساتھ دیکھا — کبھی ہمنے تجھے تنہا نہ پایا
چراغ داغ لیکر ہمنے ڈھونڈھا — نشاں پر صبر و طاقت کا نہ پایا
وہ از خود رفتہ ہیں جسکو خودی نے — خدائی میں اگر ڈھونڈا نہ پایا
کہے کیا ہائے زخم دل ہمارا — دہن پایا لب گویا نہ پایا
کبھی تو اور کبھی تیرا رہا غم — غرض خالی دل شیدا نہ پایا
سوا تیرے خط مشکیں کے کوئی — مجرب نسخۂ سودا نہ پایا
وہ یوسف دیکھ کر تصویر یوسف — سنا جیسا اسے ویسا نہ پایا
نہ مارا تو نے پورا ہاتھ قاتل — ستم میں بھی تجھے پورا نہ پایا
مرے طالع کی ہے وہ گردش ہی جس نے — فلک نے بھی قرار اصلا نہ پایا

نظیر اسکا کہاں عالم میں اے ذوق
کہیں ایسا نہ پائے گا نہ پایا

نام یوں پستی میں بالاتر ہمارا ہو گیا — جسطرح پانی کو تیس کی تہ میں تارا ہو گیا
میر کے نالوں سے جو پانی سنگ خارا ہو گیا — کوہ کے چشموں کا آنسو ہر شرارا ہو گیا

ذکرِ دنیا نفسِ مردہ کو ہوا ماء الحیات
مر گئے یہ سیماب پھر زندہ دوبارا ہو گیا

دشت یوں چمکی ہنسی میں بات اس مہ پارہ کے
میں نے جانا ماہِ تاباں پارہ پارہ ہو گیا

ایک دم بھی ہم کو جینا ہجر میں تھا ناگوار
پر امیدِ وصل میں برسوں گوارا ہو گیا

ہے مقامِ زندگی زیرِ دمِ شمشیرِ مرگ
ہو گیا جس طرح کوئی دم گزارا ہو گیا

رشک سے اس زلف کے کیا مشک ہی کا ہو گیا خوں
بلکہ جل کر سوختہ عنبر بھی سارا ہو گیا

دل پہ زخموں کی ترقی سے ہوئی اور اک بہار
آ گئے تھا صد برگ یہ گل اب ہزارا ہو گیا

ظلمتِ عصیاں سے تیرے بن گیا شب روزِ حشر
آفتاب اک تیرے بردم وار تارا ہو گیا

دی شہادت نشہ کی سرخی سے چشمِ یار نے
خون رہا اپنا نہ پنہاں آشکارا ہو گیا

ذوق اس بحرِ جہاں میں کشتیِ عمرِ رواں
جس جگہ پر جا لگی وہ ہی کنارا ہو گیا

میں ہجر میں مرنے کے قریں ہو ہی چکا تھا
تم وقت پر آ پہنچے نہیں مر ہی چکا تھا

اب جان پہ آفت ہے جو آئے ہو دوبارا
اک بار تو غارت دل و دیں ہو ہی چکا تھا

برہم اسے کیوں تو نے کیا چھیڑ کے پھر زلف
اے دل وہ ابھی چین بجبیں ہو ہی چکا تھا

ہوتا جو نہ پیوندِ زمیں تیری گلی میں
آسودہ یہ دل زیرِ زمیں ہو ہی چکا تھا

آنے سے مرے ٹھہر گئے آپ وگرنہ
جانے کا ارادہ تو کہیں ہو ہی چکا تھا

جو خط میں لکھا اس نے وہ اس لکھنے سے پہلے
مکتوب سرِ لوحِ جبیں ہو ہی چکا تھا

بے بدرقۂ مرگ توقف رہا ورنہ
عزمِ سفرِ جانِ حزیں ہو ہی چکا تھا

کیا ہوتا جو سمجھاتے اسے جا کے مرے دوست
دشمن کا سخن ذہن نشیں ہو ہی چکا تھا

کیا دیکھتے ہم یوسفِ کنعاں کو کہ اپنا
منظورِ نظر ایک حسیں ہو ہی چکا تھا

کیا گرمِ تپش ہوتا تڑپ کر ترے آگے
میں سرد تہِ خنجرِ کیں ہو ہی چکا تھا

جو کچھ کہ ہوا ہم سے وہ کس طرح نہ ہوتا
حکمِ ازلی ذوق یوں ہیں ہو ہی چکا تھا

ہم ہیں اور سایہ ترے کوچے کی دیواروں کا
کام جنت میں ہے کیا ہم سے گنہگاروں کا

محتسب گرچہ دل آزار ہے میخواروں کا
دیجئے اک جام تو ہو یار ابھی یاروں کا

اتنا تو سوز فغاں ہو کہ چمن میں بلبل
خرمن گل کی جگہ ڈھیر ہو انگاروں کا

چرخ پر بیٹھ رہا جان بچا کر عیسیٰ
ہو سکا جب نہ مداوا ترے بیماروں کا

ہوں رگیں حلق بریدہ کی بہاری خونبار
گر تماشا نہ تجھے منظور ہو فواروں کا

ہیں کماندار ترے تیر قضا تشنۂ خوں
منہ کھلا رہتا ہے اسواسطے سوفاروں کا

کیوں نہ ہر تار میں سو دل ہوں گرفتار کہ زلف
جیلخانہ ہے محبت کے گرفتاروں کا

دینگے جاں بوسۂ لعل نمکیں پر ہم بھی
جاں نثاری ہے اگر شیوہ نمکخواروں کا

بے سیاہی نہ چلا کام قلم کا اے ذوق
روسیاہی ہی سر و ساماں ہے سیہ کاروں کا

نالہ اس شور سے کیوں میرا دہائی دیتا
اے فلک گر تجھے اونچا نہ سنائی دیتا

دیکھو چھوٹوں کو ہے اللہ بڑائی دیتا
آسماں آنکھ کے تل میں ہے دکھائی دیتا

لاکھ دیتا فلک آزار گوارا تھے مگر
ایک تیرا نہ مجھے درد جدائی دیتا

پنجۂ مہر کو خون شفقی میں ہر روز
غوطہ کیا کیا ہے ترا دست حنائی دیتا

روش اشک گرا دینگے نظر سے اک دن
ہے یہ ان آنکھوں سے کبھی مجھ کو سجھائی دیتا

میں وہ ہوں صید کہ پھر دام میں پھنستا جا کر
گر قفس سے مجھے صیاد رہائی دیتا

کون گھر آئنہ کے جاتا اگر وہ گھر میں
خاکساری سے نہ جاروب صفائی دیتا

خوگر ناز ہوں کس کا کہ مجھے ساغر مے
بوسۂ لب نہیں بے چشم نمائی دیتا

منہ سے بس کرتے نہ ہرگز یہ خدا کے بندے
گر حریصوں کو خدا ساری خدائی دیتا

دیکھ گر دیکھنا ہے ذوق کہ وہ پردہ نشیں
دیدۂ روزن دل سے ہے دکھائی دیتا

ہونا عاشق تو سمجھ کر اس دشمن ایمان کا
دل نہ کر جلدی کہ جلدی کام ہے شیطان کا

جھوٹ ہی جانو کلام اس رہزن ایمان کا
پہنکر جامہ بھی وہ آئے اگر قرآن کا

تو ہماری زندگی پر زندگی کی کیا امید
تو ہماری جان لیکن کیا بھروسا جان کا

جو دل پر آرزو سے نکلا نالۂ عشق میں
ایک پتلا تھا سراپا حسرت و حرمان کا

بنگیا جوش محبت سے ہمارے سینے میں
ماہیِ دریائے خوں جوہر ترے پیکان کا

جو فرشتے کرتے ہیں کر سکتا ہے انسان بھی
پر فرشتوں سے نہ ہو جو کام ہے انسان کا

یہ تپ غم کی ہے شدت اس ترے بیمار کو
یوم راحت بھی ہے گو حق میں اسکے دن بحران کا

اے اجل تکلیف مت کر کیا کریگی آن کر
ہو چکا پہلے ہی میں کشتہ کسی کی آن کا

ہو سکے آلودہ دامن پاکدامن کس طرح
اے زلیخا چھوڑ دامن یوسف کنعان کا

نفس بیقید کو قوت ہو اگر تھوڑی سی بھی
دیکھ پھر ساماں اس فرعون بے سامان کا

دیکھنا اے ذوق ہونگے آج پھر لاکھوں کے خون
پھر جمایا اُسنے لعل لب پہ لاکھا پان کا

کسی بیکس کو اے بیداد گر مارا تو کیا مارا
جو آپ ہی مر رہا ہو اسکو گر مارا تو کیا مارا

نہ مارا آپ کو جو خاک ہو اکسیر بن جاتا
اگر پارے کو اے اکسیر گر مارا تو کیا مارا

بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا
نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا

خطا تو دل کی تھی قابل بہت سی مار کھانے کی
تری زلفوں نے مشکیں باندھکر مارا تو کیا مارا

نہیں وہ قول کا سچا ہمیشہ قول دے دیکر
جو اسنے ہاتھ میرے ہاتھ پر مارا تو کیا مارا

تفنگ و تیر تو ظاہر نہ تھا کچھ پاس قاتل کے
الٰہی پھر جو دل پر تاک کر مارا تو کیا مارا

ہنسی کیساتھہ یاں روتا ہے مثل قلقل مینا
کسی نے قہقہہ اے بیخبر مارا تو کیا مارا

مرے آنسو ہمیشہ ہیں برنگ لعل غرق خوں
جو غوطہ آب میں لیکے گہر مارا تو کیا مارا

جگر دل دونوں پہلو میں ہیں زخمی اسنے کیا جانیں
ادھر مارا تو کیا مارا اُدھر مارا تو کیا مارا

دل سنگین خسرو پر بھی ضرب کوہکن پہونچا
اگر تیشہ سر کہسار پر مارا تو کیا مارا

گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نکرنے میں
اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

دل جو خواہش میں تھا مرنا آج چشم بد بیں میں
فلک پر ذوق تیر آہ کر یا اور کب تا را

ہنگامہ گرم ہستیِ ناپائدار کا
چشمک ہے برق کی کہ تبسم شرار کا

میں وہ شہید ہوں لبِ خندانِ یار کا
کیا کیا چراغ ہنستا ہو میرے مزار کا

ہو راز دل نہ یار سے پوشیدہ یار کا
پردہ جو درمیاں ہو تو دل کے غبار کا

ہو پاک دامنوں کو خلش کر سے کیا خطر
کھٹکا نہیں نگاہ کو مژگاں کے خار کا

پوچھے ہو کیا حلاوتِ تلخابۂ سرشک
شربت ہے باغِ خلد بریں کے انار کا

پہونچیگا تیرے پاس کبوتر سے پیشتر
مکتوبِ شوق اڑ کے ترے بیقرار کا

ہے عین وصل میں بھی مری آنکھ سوئے در
لپکا جو پڑ گیا ہے مجھے انتظار کا

ہو دلکی داد کیونکہ اٹھاتے ہیں مژگاں چشمِ یار
کرتی ہیں قصد تیغ سے اوجھل شکار کا

بجھنے کی دلکی آگ نہیں مرتے دم بھی
ہوگا درخت گور پہ میری چنار کا

اس رخ سے تابناک پہ ہر قطرۂ عرق
گویا کہ اک ستارہ ہے صبحِ بہار کا

اے ذوق گر ہیں ہوش تو دنیا سے دور بھاگ
اس میکدے میں کام نہیں ہوشیار کا

ہمارے خون سے دل پائمال کے کیسا
چلا ہے دیکھو وہ دامن سنبھال کے کیسا

بغل سے لیگئے دل کو نکال کے وہ صریح
جو مانگا تو کہا آنکھیں نکال کے کیسا

نہیں ہے جوگی اگر چشمِ یار گرد اس کے
ہجوم کرتے ہیں مژگاں کے بال کے کیسا

نمونہ خال کی دیکھو تو زیر ابروِ یار
ستارہ نکلا ہے نیچے ہلال کے کیسا

ہماری نعش پہ ہنگامہ کیوں ہے اے قاتل
اٹھا ہے فتنہ یہ بعد انفصال کے کیسا

شبِ فراق میں اس مہ جبیں کے انجمِ چرخ
مجھے ڈراتے ہیں آنکھیں نکال کے کیسا

ہزار دم ہیں ترے یاد تو نے دیکھا ذوق
گیا وہ غیر کے گھر تجھکو ٹال کے کیسا

میں کہاں سنگ دریا ہے ٹل جاؤں گا — کیا وہ پتھر ہے پھسلنا کہ پھسل جاؤں گا
نالہ کہتا ہے کہ تا چرخ زحل جاؤنگا — بلکہ میں توڑ کے اسکو بھی نکل جاؤں گا
دل یہ کہتا ہے کہ تو ساتھ نہ لے چل مجھ کو — ورنہ میں جا کے وہاں دیکھ مچل جاؤں گا
مدرسے میں بھی اگر جاؤنگا تو جائے کتاب — شیشۂ بادہ لئے زیر بغل جاؤں گا
کوچۂ یار میں جاؤنگا تو مثل خورشید — پاس آداب میں سر ہی کے بل جاؤں گا
دل کہے ہے کہ مجھے روزن سینہ سے نکال — ورنہ خوں ہو کے میں آنکھوں سے نکل جاؤں گا
سر و مہ نے فلک ڈال نہ بالا کہ بن آگ — نخل سرمازدہ کی طرح سے جل جاؤں گا
آنکھ سے اشک صفت مجکو گرا کر نہ سنبھال — میں نہیں وہ کہ سنبھالے سے سنبھل جاؤں گا
قیس و فرہاد کو بتلاؤں گا کچھ عشق کی راہ — ایکے میں گر طرف دشت و جبل جاؤں گا
گر پڑا آگ میں پروانہ دم گرمئ شوق — سمجھا اتنا بھی نہ کمبخت کہ جل جاؤں گا
ہوں وہ مشتاق شہادت کہ تری ہاتھ سے میں — پائی کو ہاں تہ شمشیر اجل جاؤں گا

جنبش برگ صفت باغ جہاں میں اے ذوق
کچھ نہ ہاتھ آئیگا تو ہاتھ تو مل جاؤں گا

اس سے تو اور آگ وہ بیدرد ہو گیا — اب آہ آتشیں سے بھی دل سرد ہو گیا
سینے میں بوالہوس کے بھی تھا آبلہ مگر — نشتر کا نام سنتے ہی منہ زرد ہو گیا
سو بار مر کے عاشق جاں باختہ ترا — لڑنے کو پھر کھڑا ارو شیں زرد ہو گیا
مجنوں بھی دشت گرد تھا نشد گرد باد — جب خاک اڑائی ہمنے تو دگرد ہو گیا
اس صید تیر خوردہ کو تو نے کیا نہ ذبح — آخر تڑپ تڑپ کے یوں ہی سرد ہو گیا
واں رخ شگفتگی سے گل درد بن گیا — یاں غم سے رنگ زرد و گل زرد ہو گیا

پیر مغاں کے پاس وہ دارو ہے جس کو ذوق
نامرد مرد مرد جواں مرد ہو گیا

پانی طبیب دے ہے ہمیں کیا بجھا ہوا — ہے دل ہی زندگی سے ہمارا بجھا ہوا

کہتے تھے آفتاب قیامت جسے سو وہ   نکلا چراغ داغ دل اپنا بجھا ہوا
چشم غضب سے نیم نگہ میرے واسطے   اک تیر ہے زہر میں گویا بجھا ہوا
پھر دل میں آہ سرد ہوئی میرے شعلہ ور   لو پھر بھڑک اٹھا یہ فتیلہ بجھا ہوا
پہلے نشانہ کرتا وہ بندوق کا مجھے   پر تھا مری نصیب سے توڑا بجھا ہوا
جلکر اگر بجھا بھی دل سوختہ مگر   تو پھر جلیگا جیسے کہ کولا بجھا ہوا

ہم آپ جل بجھے مگر اس دل لگی آگ کو
سینے میں ہمنے ذوق نہ پایا بجھا ہوا

جدا ہوں یار سے ہم اور نہ ہوں رقیب جدا   ہے اپنا اپنا مقدر جدا نصیب جدا
تری گلی سے نکلتے ہی اپنا دم نکلا   رہے ہے کیونکہ گلستاں سے عندلیب جدا
دکھائے جلوہ جو مسجد میں وہ بت کافر   تو چیخ اٹھے موذن جدا خطیب جدا
جدا نہ درد جدائی ہو گر مرے اعضا   حروف درد کی صورت ہوں اے طبیب جدا
ہے اور علم و ادب مکتب محبت میں   کہ ہے وہاں کا معلم جدا ادیب جدا
ہجوم اشک کے ہمراہ کیوں نہ ہو نالہ   کہ فوج سے نہیں رہتا کبھی نقیب جدا
فراق خلد سے گندم ہے سینہ چاک ابتک   الٰہی ہو نہ وطن سے کوئی غریب جدا
کیا حبیب کو مجھ سے جدا فلک نے اگر   نہ کر سکا مرے دل سے غم حبیب جدا

کریں جدائی کا کس کس کی رنج ہم اے ذوق
کہ ہونیوالے ہیں سب ہمسے عنقریب جدا

شکر پردے ہی میں اس بت کو حیا نے رکھا   ورنہ ایمان گیا ہی تھا خدا نے رکھا
رہا پامالیٔ رہ عشق کی تربت کا نشاں   اسے تعویذ جو نقش کف پا نے رکھا
تلخ کامی کا رہا بعد فنا بھی یہ اثر   استخواں کو مرے باقی نہ ہما نے رکھا
آشیاں باغ میں ڈھونڈھا جو قفس سے جاکر   ایک تنکا بھی نہ تھا باد صبا نے رکھا
دل جو دیوانہ تھا میرا تو کیوں پھر اسکو   پا بہ زنجیر تری زلف دوتا نے رکھا

آنکھیں بیدارِ طلب گور سے آئی ہیں نکل | دستِ نرگس کا نہیں میرے سرہانے رکھا
پئے ناواقفِ رہ پہلے ہی رہبر موجود | گور سے آگے قدم دیکھ عصا نے رکھا
ناتواں ہیں نہ تنِ زار مرا دیکھ سکا | خوب دھوکے میں اسے تا قبا نے رکھا
زر سے خوبی و زرشتی سے غرض آتش وار | گھر میں مہمان جسے اہلِ صفا نے رکھا
کیا تماشا ہے کہ دیوانہ بنا کر ایسا | نام مجنوں مرا اُس ہوش ربا نے رکھا
شربتِ مرگ سے محروم نہ رہتا کبھی خضر | لیک ناکام اُسے آبِ بقا نے رکھا
نہ گیا مر کے بھی اس مصحفِ رخسار کا شوق | کہ رہا گور پہ قرآن سرہانے رکھا

ہے نشاں پہلے فنا سے ہو جو ہو تجھ کو بقا
ورنہ ہے کسکا نشاں ذوقؔ فنا نے رکھا

نشۂ دولت کا بد اطوار کو جس آن چڑھا | سر پہ شیطان کے اک اور بھی شیطان چڑھا
عشق کے ڈھب پہ نہ کوئی بجز انسان چڑھا | اسکے قابو پہ چڑھا تو یہی نادان چڑھا
چڑھ گیا جبکہ زمیں توسنِ وحشت اپنا | دینگے افلاک پہ ہم خاکِ بیابان چڑھا
میں نے دیکھا مہِ نو کو تو اس ابرو کا خیال | لیکے خنجر مری چھاتی پہ وہیں آن چڑھا
دیکھیے ملتِ دیں کتنے کرے گا برباد | باد کے گھوڑے پہ وہ دشمنِ ایمان چڑھا
مصحفِ رخ پہ ترے رنگ سنہرا تیرا | واہ کیا خوب ہے سونا سرِ قرآن چڑھا
جب لڑی آنکھ تری کوئی مرے دل کے سوا | تیرِ مژگاں کے نہ منہ پر سرِ میدان چڑھا
ناز سے تان کے ابرو سے لگا تیرِ نگاہ | چلّہ چلہ اپنی کماں پہ ترے قربان چڑھا
دیکھو قسمت کا لکھا اُس نے پڑھا خط سو بار | دھیان پر میرا نہ مضموں کسی عنوان چڑھا
غمزۂ یار کو سونپے متاعِ دل و جاں | چور تھا پر نظر اپنی پہ نگہبان چڑھا
اشک آئے نہیں مژگاں پہ کہ بادل ہے ابھی | پانی سو نیزے دیا باندھ کے طوفان چڑھا

حضرتِ عشق کی درگاہ میں آکر اے ذوقؔ
دل و دیں بیٹھے ہیں سب گبر و مسلمان چڑھا

نیمچہ جب مول وہ بانکا جواں لینے لگا
موت سکے چھینیں منہ سے یہ نیمجاں لینے لگا

تیر چٹکی میں لیا اُسنے پئے جان عدو
رشک میرے دلمیں کیا کیا چٹکیاں لینے لگا

نام میرا سُن کے مجنوں کو جوانی آگئی
بید مجنوں دیکھکر انگڑائیاں لینے لگا

مجھکو ہر شب ہجر کی ہونے لگی جوں روز حشر
مجھ سے یکسدن کے بدلے آسماں لینے لگا

ہے جو غنچوں کا چٹکنا انگلیوں کی سی چٹک
یہ بلائیں کسکی باغ اے باغباں لینے لگا

جسنے کی اس میکدے میں بیعت دست سبو
وہ قدم تیرے یہیں اے پیر مغاں لینے لگا

لیکے آئینہ جو دیکھی حسن کی اپنے بہار
لینے بوسے آپ وہ غنچہ دہاں لینے لگا

تیز جو کرنے لگا عشاق پر تیغ نگاہ
چشم کی گردش سے وہ کار فساں لینے لگا

حسن سے ہوتا دل آہن بھی گرم اختلاط
شمع کی گلگیر جو منہ میں زباں لینے لگا

موت اسکو یاد کرتی ہے خدا جانے کہ گور
یوں ترا بیمار غم جو ہچکیاں لینے لگا

رات کو اے ذوق اسکی نوک مژگاں کا خیال
تن پہ ہر مو سے مرے کار سناں لینے لگا

پہونچا آب تیغ قاتل تا بہ سر اچھا ہوا
اے دل مجروح لے تو غسل کر اچھا ہوا

ایکدن بالکل نہ میں اے چارہ گر اچھا ہوا
داغ ادھر تازہ ہوا گر زخم اُدھر اچھا ہوا

کم نہو اس آب خنجر کی الٰہی آبرو
آج مدت میں ہمارا حلق تر اچھا ہوا

آ رہیگا دشت میں لیلیٰ تری ناقے کے کام
ہو گیا مجنوں جو کانٹا سوکھکر اچھا ہوا

روز کہتا تھا مزہ مجھکو چکھا دے عشق کا
بھر دیا یوں اُسنے دلکو چھیڑکر اچھا ہوا

سنکے مجنوں نعرے شور جنوں کو یوں کہا
واقعی مجھ سے بھی یہ شوریدہ سر اچھا ہوا

بندھ گیا اس موکمر کا جب کہ مضمون کمر
ہو گئی مضموں میں وقت شعر پر اچھا ہوا

مجھکو صدقے کر اگر ہے بدمزہ تیرا مزاج
یہ ادھر صدقہ دیا تو نے ادھر اچھا ہوا

ہاتھ تو ہلکا پڑا تھا یار کی شمشیر کا
زخم پر قسمت سے میرے کارگر اچھا ہوا

کھنچ گیا میری طرف سے اور اُس دلبر کا دل
واہ وا جذب محبت کا اثر اچھا ہوا

قتل کرتا ہے ترا بسمل سے یہ کہنا کہ لو — اب تو دامن بھی ہوا لوہو سے تر اچھا ہوا
نامہ بر جاتا ہے جا جلدی چلی جان حزیں — دیر مت کر ساتھ تیرے ہم سفر اچھا ہوا
آئینہ خانے میں عالم کے سمجھ لے یہ مثال — تا تجھے جانیں کہ یہ صاحب نظر اچھا ہوا
ہے برا تو ہی اگر آیا نظر تجھ کو برا — تو ہی اچھا ہے تجھے معلوم گر اچھا ہوا

ذوق کے مرنیکی سنکر پہلے تو سب رک گئے
پھر کہا تو یہ کہا منہ پھیر کر اچھا ہوا

خلاف وعدہ سے میں تیرے کل تو جان بلب آیا — نہ آیا آج بھی گر تو تو ہے ظالم غضب آیا
چمن میں کہتے ہیں پھر موسم عیش و طرب آیا — بہاریں خوب سی لوٹینگے اگر وہ غنچہ لب آیا
عبث حال دل مضطر بہ شوخی ہے کہ وہ مشوخ کب آیا — اگر ہے حلم کو بھی آیا تو ہم جانیں گے لب آیا
نوید اے تشنہ کامی بارے آب خنجر قاتل — گلا واکر لیا ہیں سے اور زخم گلو کے تا بہ لب آیا
تامل کیجیو ذوق طپیدن دیکھئے کیا ہو — گرا بتاک ذبح کر نیکا نہیں قاتل کو ڈھب آیا
وہ دست ناز لیکر مجھ سے میرے شیشۂ دل کو — ہوا خوش اسقدر گویا کہ ہاتھ اسکے حلب آیا
نوشتے سے کہ ہو اک حرف بھی ہرگز نہ بیش و کم — جو پیشانی میں لکھا تھا ہوا وہ پیش سب آیا
برنگ غنچہ خوں میں دل نہ سبزہ کیا اس گلستاں میں — بھلا آیا منہ میں خوں گر اک تبسم زیر لب آیا
وہیں یا نہ آئیں ہیں نہیں رنجیدہ دل اپنے — اگر یہ رنج ہے کیوں رنج اپنے بے سبب آیا
لگائی زلف کو شانے نے جو انگلی پکارا دل — یہ گستاخی بھلا رہ تو سہی او بے ادب آیا
ترے ڈر سے نہ آیا پاس کوئی نیچانوں کے — مگر رونا کبھی چوری سے بعد از نیم شب آیا

میں اپنے ذوق کے قرباں کہ مستی میں بھی شب کے
بلایا کسنے اسکو یہ جب آیا بے طلب آیا

مرے طالع میں ہے کیا کام اے گردوں ستاری کا — چلا جاتا ہے کافی آتش غم کے شراری کا
اُتارا تو نے تو سر تن سے اس شامت کے ماری کا — اٹھے احسان ہوں سر پہ میں تیغ آبداری کا
ستاری دیکھ کر موتی تمھارے گوشواری کا — کہیں ہمکو ملا یہ نور حصہ اس ستاری کا

جسے کہتے ہیں بحر عشق اسکے دو کنارے ہیں
ازل نام اس کنارے کا ابد نام اس کنارے کا

ملے اکسیر کشت خوں سے میں ہرگز لوں نہ ہرگز
مرے مذہب میں خوں کرنا ہے کشتہ کرنا پارے کا

ہیں کیا غلطیدہ دامن الیاس گرداب بلا میں ہم
کہ بد تر ڈوب کر مرنے سے ہے جینا سہارے کا

نہیں ہے سبز لیتے ہوا سر پیچ الیسیر مہوش
خود ہمراہ اسکا ہے گرد پیش ہمنو کے قطب تارے کا

سر راہ فنا میں ہوں مہیا سے سفر لیکن
بر آمد اشک مژگاں منتظر ہوں اک اشارے کا

خریدار اسکی رحمت جس سے چھپا کیا ہے گریہ سے
بھرے ٹک کر بیچتا ہوں نفع بر سود اخسارے کا

ڈھلکتا ہے مثال دانۂ تسبیح کیوں شبنم
کہ جب ٹھہرا سفر دنیا سے کیا کام استخارے کا

فقط تار نفس کا ذوق خط جادہ کافی ہے
پئے عمر رواں کیا چاہئے رستا گذارے کا

نالہ سے اپنے بیاں درد جدائی کرتا
کام قاصد کا ہے یہ تیر ہوائی کرتا

پنجۂ شانہ کو دیتا ہے فلک کب ناخن
جانتا ہے کہ یہ ہے عقدہ کشائی کرتا

دیکھتا اس بت مغرور کا گر جاہ و جلال
کبھی فرعون نہ دعوائے خدائی کرتا

تھا کہاں آئینہ سے ہے نام سکندر روشن
روشنی دیکھتا گر دل کی صفائی کرتا

نہیں گوش شنوا باغ جہاں میں غافل
ورنہ ہر برگ ہے یاں نغمہ سرائی کرتا

بند آنکھیں کئے جاتا ہے کدھر آ کے مجھے
ہے ترا نقش قدم چشم نمائی کرتا

سوز دل کوئی بتائے کہ نہیں چشم میں اشک
پر ہے یہ خون جگر کار روائی کرتا

بیٹھ رہتے تو قفس ہے عجب آرام کی جا
پر ہے بے چین ہمیں شوق رہائی کرتا

ذوق اس پائے نگاریں کا جو ہے وصف نگار
اشک خونیں سے ہے کاغذ کو حنائی کرتا

نہ کرتا ضبط میں نالہ تو پھر ایسا دھواں ہوتا
کہ نیچے آسماں کے اک نیا اور آسماں ہوتا

ابھی کیا بسمل قاتل شہید تفتہ جاں ہوتا
کوئی دم تشنہ مردہ ہے باقی دھواں ہوتا

کہے ہے مرغ دل ہوش ہیں زلف کماں ہوتا
کہ تا شاخ کماں پر آ سکے میرا آشیاں ہوتا

عزاداری میں ہو کس کے یہ چرخ ماتمی جامہ
کہ جیب چاک کی صورت خطِ کہکشاں ہوتا

نہ ہوتی دل میں گر کاوش کسی کی نوک مژگاں کی
تو کیوں حق میں مرے ہر موئے تن نشتر سناں ہوتا

نہ رکھتا پر نہ رکھتا منہ پہ دانہ یہ مریض غم
اگر تیرا میسر بوسۂ خال دہاں ہوتا

جو روتا کھول کر جی تنگنائے دہر میں عاشق
تو جیسے کہکشاں میں ہی فلک پہ جوئے رواں ہوتا

بگولا گر نہ ہوتا وادیٔ وحشت میں اے مجنوں
تو گنبد جیسے سرگشتوں کی تربت پر کہاں ہوتا

ترے خونیں جگر کی خاک پر ہوتا اگر سبزہ
تو مژگاں کی طرح سے اس کے دامن خونچکاں ہوتا

رکاوٹ لکی اس قاتل کی وقت ذبح ظاہر ہو
کہ خنجر ہو مری گردن پہ رک رک کر رواں ہوتا

نہ کرتا ضبط میں گریہ تو اے ذوق اک گھڑی بھر میں
کٹورے کی طرح گھڑیال کے غرق آسماں ہوتا

آنکھیں مری تلووں سے وہ مل جائے تو اچھا
ہے حسرت پابوس نکل جائے تو اچھا

جو چشم کہ بے نم ہو وہ ہو کور تو بہتر
جو دل ہو کہ بے داغ وہ جل جائے تو اچھا

بیمار محبت نے لیا تیرے سنبھالا
لیکن وہ سنبھالے سے سنبھل جائے تو اچھا

ہو تجھ سے عیادت جو نہ بیمار کی اپنے
لینے کو خبر اس کی اجل جائے تو اچھا

کھینچے دل انساں کو نہ وہ زلف سیہ فام
اژدر کوئی انساں کو نگل جائے تو اچھا

اے گریہ نہ رکھ میرے تن خشک کو غرق آب
لکڑی کی طرح پانی میں گل جائے تو اچھا

تاثیر محبت عجب اک حب کا عمل ہے
لیکن یہ عمل یار پہ چل جائے تو اچھا

ذلت سے تری تار نفس سینے میں میرے
کانٹا سا کھٹکتا ہے نکل جائے تو اچھا

ہاں کچھ تو ہو حاصل ثمر نخل محبت
یہ سینہ پھپھولوں سے جو پھل جائے تو اچھا

دل گر کے نظر سے ترے اٹھنے کا نہیں پھر
یہ گرنے سے پہلے ہی سنبھل جائے تو اچھا

وہ صبح کو آئے تو کروں باتوں میں دوپہر
اور چاہوں کہ دن تھوڑا سا ڈھل جائے تو اچھا

ڈھل جائے جو دن بھی تو اسی طرح کروں شام
اور پھر کہوں گر آج سے کل جائے تو اچھا

جب کل ہو تو پھر وہ ہی کہوں کل کی طرح سے
گر آج کا دن بھی یونہی ٹل جائے تو اچھا

القصہ نہیں چاہتا میں جائے وہ یاں سے — دل اسکا یہیں گرچہ بہل جائے تو اچھا

ہے قطع رہ عشق میں اے ذوق ادب شرط
جوں شمع تو اب سر ہی کے بل جائیے تو اچھا

کہے ہے خنجر قاتل سے یہ گلو میرا — کمی جو مجھ سے کرے تو پیئے لہو میرا
نہ پہونچا گردن جاناں تک اور ٹوٹ گئے ہاتھ — پڑا گلے میں مرے دست آرزو میرا
سدا ملائک تسبیح خواں کو آئے رشک — جو میکدے میں سنیں شور ہا ے و ہو میرا
عجب نہیں ہے مری سوزش محبت سے — کہ تار شمع ہو ہر ایک تار مو میرا
برنگ آئنہ چشم پر آب سے میرے — گرانہ اشک کیا پاس آبرو میرا
فلک کا رنگ جو اب تک سیاہ ہے ایسے — پڑا تھا سایۂ بخت سیہ کبھو میرا

ہمیشہ میں ہوں اسی داو گھات میں اے ذوق
کہ رام ہو وہ غزال پلنگ خو میرا

نہ ہوا آب شہادت سے گلو تر نہ ہوا — مستعد حیف وہ ہوا ہائے تو خنجر نہ ہوا
جلکے میں خاک ہوا تو بھی رہا دل مضطر — یہ وہ سیماب ہے کشتہ نہوا بے پر نہوا
نہ چراغ اسکو نہ کچھ داغ الم سے اے عشق — خانۂ دل کوئی ویرانہ ہوا گھر نہوا
کب صبا آئی ترے کوچے سے اے یار کہ میں — جوں حباب لب جو جامہ سے باہر نہوا
خون گھائے گلو کب تن بے سر سے مرے — آ گئے کب جوش پہ فوارے سے ہمسر نہوا
عشق یہ معجزہ کیسا ہے کہ اس کشتے کے — موئے سر حلق سے پیدا ہوئے اور سر نہوا

ذوق بیمار محبت ہے خدا خیر کرے
کہ یہ آزار ہوا جس کو وہ جاں بر نہوا

بعد مردن بھی خیال چشم فتاں ہی رہا — سبزۂ تربت مرا وقف غزالاں ہی رہا
میں ہمیشہ عاشق پیچیدہ مویاں ہی رہا — خاک پر ژولیدہ میری عشق پیچاں ہی رہا
اپنے تندی ہی کا کام غیر میں وہ لعل لب — پر مرے حق میں تو سنگ زیر دنداں ہی رہا

بندھ سکا ہمسے مضموں اس دہان تنگ کا
ہاتھ اپنا فکر میں زیر زنخداں ہی رہا

جاہل منکر نہ آئے راہ پر تجھ سے بھی
جہل سے بوجہل اپنے نامسلماں ہی رہا

پاؤں کب نکلے رکاب حلقۂ زنجیر سے
توسن وحشت ہمارا گرم جولاں ہی رہا

کب لباس دنیوی میں چھپتے ہیں روشن ضمیر
جامۂ فانوس میں بھی شعلہ عریاں ہی رہا

آدمیت اور شے ہے علم ہے کچھ اور شے
کتنا طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا

جلوہ اے قاتل اگر تیرا نہیں حیرت فزا
دیدۂ بسمل نے کیا دیکھا کہ حیراں ہی رہا

حلقۂ گیسو میں دیکھی کسکے رخسار کی تاب
شب مہ ہالہ نشیں سر در گریباں ہی رہا

مدتوں دل اور پیکاں دونوں سینے میں رہے
آخرش دل بہ گیا خوں ہو کے پیکاں ہی رہا

سبکو دیکھا اس نے اور اسکو نہ دیکھا جوں نگاہ
وہ رہا آنکھوں میں اور آنکھوں سے پنہاں ہی رہا

آگئی زلفیں دل میں بستی تھیں ورا آنکھیں تری
ملک دل اپنا ہمیشہ کافرستاں ہی رہا

مجھ میں اسمیں ربط ہے گویا برنگ بوئے گل
وہ رہا آغوش میں لیکن گریزاں ہی رہا

دین و ایماں ڈھونڈھتا ہے ذوق کیا اسوقت میں
اب نہ کچھ دیں ہی رہا باقی نہ ایماں ہی رہا

طلسم طرفہ ترا آنسو نے میرے مردماں باندھا
کہ ہے اک اک گرہ میں حاصل صد بحر و کاں باندھا

ترے جوڑے کے کھلنے نے مرا دل داستاں باندھا
عجب نقدیر نے عقدہ وہاں کھولا یہاں باندھا

یہ بہتان کسنے افشائے محبت کا یہاں باندھا
جو بعد از مرگ میرے منہ کو تونے بدگماں باندھا

ہوئی تشہیر لاش اس ناتواں کی جبکہ پاؤں میں
کوئی تار نگاہ مور جائے ریسماں باندھا

کیا مجنوں مجھے آشفتگی زلف نے کسکے
کہ میرے سر پہ مرغ شانہ نے آشیاں باندھا

ترا ہنسنا جو یاد آیا برنگ قہقہہ مینا
تو میں نے تار اک رونیکا لیلے ہچکیاں باندھا

تڑپ کر دامن زیں کو نہ آلودہ کر ہو خوں سے
سر فتراک سے کیوں تونے صید نیم جاں باندھا

نہ جھاڑا غیر کو ہرگز کہ ہو کر جھاڑ لیتا تھا
مجھی پر گالیوں کا جھاڑ تونے بدزباں باندھا

وہ ہوں ناکام سمجھا نامرادی جو مراد اپنی
مری مرقد پہ چلہ اسنے آکر دوستاں باندھا

اڑا دینگے دھویں اک آن میں اس چرخ گرداں کے
اگر پیکر وحشی نے دلکے زیر آسماں باندھا

فلک کا رستہ پھیر دیتے ہیں کوئی پر خروشوں کو
کیا ہے آخر ش زنجیر سے سیل رواں باندھا

بلا ہوں مضطرب میں بھی کہ مجھ سے برق نے دیکر
حصار اک گرد اپنے شعلۂ جوالہ ساں باندھا

مراد آگے ہی سینے میں اک پھوڑا سا پکتا ہے
خیال خط سبز یار نے کیوں برگ پاں باندھا

دل مجروح پر میرے نہ سمجھو داغ حسرت کا
پر ہا ڈس اس زخمی نے ہوا ہے دوستاں باندھا

کہاں دل بھاگ کر جائے کہ تیری نخل قامت سے
عجب اک گرد نامہ خط نے ہے سرو رواں باندھا

تپ سوز محبت کے لئے چارہ نہیں مرتے
گلو بند انکے گلوں گردن پہ کیوں ہے نقش جاں باندھا

سمجھ کر موج دریائے فنا کو خنجر براں
کفن مثل حباب اے ذوق ہمنے سر سے یاں باندھا

بھڑکنا کیا کہوں سینے میں اپنے آتش غم کا
کہ جائے پنبہ ہے ہر داغ پر شعلہ جہنم کا

جہاں میں عرصۂ عشرت کے سوا وہ چند ہے غم کا
اگر ہو عید کا اکدن تو عشرہ ہے محرم کا

تری عاشق کو یوں ہے خوشگوار آب دم خنجر
مسلماں کو لگے جسطرح شیریں آب زمزم کا

برنگ طوق قمری کوئی نکلے ہے نکالے سے
کمند گردن دل ہے جو حلقہ زلف پر خم کا

ترے رخسار کا پر تو پڑے گر عارض گل پر
کرے چشمک زنی خورشید پر ہر قطرہ شبنم کا

سیے جاتے ہیں کس سے زخم اس تیغ تبسم کے
کہ یاں کھلتا ہے بخیہ سوزن عیسی مریم کا

دلبران محبت کو خلش سے اسکے مژگاں کی
پس مردن لحد میں بھی ہے عالم چاہ رستم کا

خراش سینہ میں اک رہ گیا ہے ٹوٹ کر ناخن
غلط ہے جو سمجھتے ہیں کہ یہ پھاہا ہے مرہم کا

اگر آتش مزاجوں کو حسد ہو خاکساروں پر
تعجب کیا کہ ابلیس لعین دشمن ہے آدم کا

خط اسکا وصل کی دولت کا ہے پیغام اے قاصد
لگا قسمت سے نسخہ ہاتھ یہ اکسیر اعظم کا

شہید اے ذوق سینے میں ہوئی ہیں حسرتیں لاکھوں
مری جو آہ ہے گویا وہ ہے اک نخل ماتم کا

گل اس نگہ کے زخم رسیدوں میں مل گیا
یہ بھی لہو لگا کے شہیدوں میں مل گیا

کیا جانے تیغ عشق کی لذت کو بوالہوس — گو جون ملخ وہ حلق بریدوں میں مل گیا
گر بعد فقر پھر سگ دنیا ہوا فقیر — کمبخت پاک ہو کے پلیدوں میں مل گیا
دکھلا کے کہکشاں سے فلک چاک سینہ رات — اس ماہوش کے سینہ دریدوں میں مل گیا
اس شکل سے ہوا وہ طلبگار دید یار — صاف آئینہ کا دیدہ ندیدوں میں مل گیا
آخر کو فیض بیعت دست سبو سے آج — پیر مغاں کے میں بھی مریدوں میں مل گیا

حب حسینؑ ذوق وہ شے ہے کہ جس سے تو
تھا گرچہ اشقیا میں سعیدوں میں مل گیا

وہ کون ہے جو مجھ پہ تاسف نہیں کرتا — پر میرا جگر دیکھ کہ میں اف نہیں کرتا
کیا قہر ہے وقفہ ہے ابھی آنے میں انکے — اور دم مرا جانے میں توقف نہیں کرتا
تا صاف کرے دل نہ مئے صاف سے صوفی — کچھ سود و صفا علم تصوف نہیں کرتا
دل فقر کی دولت سے مرا اتنا غنی ہے — دنیا کے زر و مال پہ میں تف نہیں کرتا
پڑھتا نہیں خط غیر مرا واں کسی عنواں — جبتک کہ عبارت میں تصرف نہیں کرتا
کچھ اور گماں دل میں نہ گذرے ترے کافر — یاد اسلئے میں سورۂ یوسف نہیں کرتا

اے ذوق تکلف میں ہے تکلیف سراسر
آرام سے وہ ہے جو تکلف نہیں کرتے

محفل میں شور قلقل مینائے مل ہوا — لا ساقیا پیالہ کہ توبہ کا قتل ہوا
دریائے غم سے میرے گذرنے کیواسطے — تیغ خمیدہ یار کی لوہے کا پل ہوا
پروانہ بھی تھا گرم تپش پر کھلا نہ راز — بلبل کی تنک حوصلگی تھی کہ غل ہوا
آئی تھی ابروؤں کی نہ ہرگز سمجھ مری بات — آوازہ گو بلند مثال دہل ہوا
جنکی نظر چڑھا ترا رخسار آتشیں — انکا چراغ گور نہ تا حشر گل ہوا
بندہ نوازیاں تو یہ دیکھو کہ آدمی — جزو ضعیف محرم اسرار کل ہوا

اس بن رہا چمن میں بھی میں ذوق دلخراش

ناخن سے تیز تر مجھے ہر برگ گل ہوا

اس تپش کا ہے مزہ دل ہی کو حاصل ہوتا
کاش میں عشق میں سر تا بقدم دل ہوتا
آسماں درد محبت سکے جو قابل ہوتا
تو کسی سوختہ کا آبلۂ دل ہوتا
چھوڑتا ہاتھ سے ہرگز نہ کبھی بسمل شوق
دامن برق اگر دامن قاتل ہوتا
چین پیشانی اگر تیری نہ ہوتی زنجیر
نالہ دیوانہ تھا جو پا بہ سلاسل ہوتا
کرتا بیمار محبت کا مسیحا جو علاج
اتنا دق ہوتا کہ جینا اسے مشکل ہوتا
ذبح ہونیکا مزہ جانتا گر صید حرم
رکھ کے خنجر پہ گلو آپ وہ بسمل ہوتا
گر سیہ بخت ہی ہونا تھا نصیبوں میں مرے
زلف ہوتا ترے رخسار پہ یا تل ہوتا
آتا کیوں مصر میں کنعاں سے نکلکر یوسف
جذبۂ شوق زلیخا جو نہ کارمل ہوتا
موت نے کردیا ناچار وگرنہ انساں
ہے وہ خود بیں کہ خدا کا بھی نہ قائل ہوتا
آپ آئینۂ ہستی میں ہے تو اپنا حریف
ورنہ یاں کون تھا جو تیرے مقابل ہوتا
دل گرفتوں کی اگر خاک چمن میں ہوتی
تو جہاں دیکھتے ہو غنچہ وہاں دل ہوتا
سینۂ چرخ میں ہر اختر اگر دل ہے تو کیا
ایک دل ہوتا مگر درد کے قابل ہوتا
ہوتی گر عقدہ کشائی نہ ید اللہ کے ہاتھ
ذوق حل کیونکہ مرا عقدۂ مشکل ہوتا

جو نہ رنگ رنج و ماتم کا یہاں نمود ہوتا
تو زمیں نہ زرد ہوتی نہ فلک کبود ہوتا
کسی رنجکش کو دیتا تو کچھ اسکو سود ہوتا
دل سخت کاش کافر حجر الیہود ہوتا
تری بزم میں تو جلتا کہ تجھے بھی بو پہونچتی
جو یہیں تھا دل کو جلنا تو بلا سے عود ہوتا
لب نازک اسکا کیونکر کہو بار حرف اٹھالے
کہ جو صدمۂ تبسم سے بھی ہو کبود ہوتا
یہ حیات چند روزہ جو نہ سد راہ ہوتے
تو پھر ایک عرصہ گاہ عدم و وجود ہوتا
جو حسد کسی کو تجھ پر ہو تو ہے یہ تیری خوبی
کہ جو تو نہ خوب ہوتا تو وہ کیوں حسود ہوتا
وہ ہیں کیا جو زر بکف ہیں یہ ہمیشہ سر بکف ہیں
ترے جاں نثار کا سا نہیں دست جود ہوتا

ترے در کی جبہ سائی اگر اشک اپنی کرتے — ہر قطرہ قطرہ پر ایک اثر سجود ہوتا

کوئی زہر نوش مجھ سا نہیں ہونے کا ذوق ورنہ
تخم زقوم دوزخ میں بھی خشک دودھ ہوتا

اُسنے جب بال بہت رو و بدل میں مارا — ہمنے دل اپنا اٹھا اپنی بغل میں مارا
نیمچہ جب مرے قاتل نے بغل میں مارا — جو چڑھا منہ اُسے میدان اجل میں مارا
اجل آئی نہ شب ہجر میں اور تو نے فلک — بے اجل ہمکو تمنائے اجل میں مارا
عشق کے ہاتھ سے نہ قیس بچا نہ فرہاد — اسکو گردشت میں تو اسکو جبل میں مارا
کھینچکر عشق جفا پیشہ نے شمشیر جفا — پہلے اک ہاتھ مجھی پر تھا ازل میں مارا
ہمنے جانا وہی اس عشق نے مارا اسکو — تیشہ فرہاد نے جو وقت جبل میں مارا
آنکھ سے آنکھ ہو لڑتی مجھے ڈر ہے دل کا — کہیں یہ جائے نہ اس جنگ و جدل میں مارا
دل کو اُس کاکل پیچاں سے نہ بل کرنا تھا — یہ سیہ بخت گیا اپنے ہی [illegible] بل میں مارا
چرخ بد بیں کی کبھی آنکھ نہ پھوٹی سو بار — تیر نالے نے مرے چشم زحل میں مارا
اس لب و چشم پہ ہے زندگی و مرگ اپنی — کہ کبھی دم میں جلا یا کبھی پل میں مارا

نہوا پر نہوا میر کا انداز نصیب
ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

مذکور تری بزم میں کس کا نہیں آتا — پر ذکر ہمارا نہیں آتا نہیں آتا
جلنا ہمیں اصلا نظر اپنا نہیں آتا — گر آج بھی وہ رشک مسیحا نہیں آتا
کیا جانے اُسے وہم ہے کیا میری طرف سے — جو خواب میں بھی رات کو تنہا نہیں آتا
کس دم نہیں ہوتا قلق ہجر سے مجھ کو — کس وقت مرا منہ کو کلیجا نہیں آتا
ہم رونے پہ آجائیں تو دریا ہی بہائیں — شبنم کی طرح سے ہمیں رونا نہیں آتا
آنا ہے تو آجا کہ کوئی دم کی ہے فرصت — پھر دیکھئے آنا بھی ہے دم یا نہیں آتا
ساتھ اُنکے ہیں ہم سایہ کی مانند ولیکن — اسپر بھی جدا ہیں کہ لپٹنا نہیں آتا

دل مانگنا مفت اور پھر اُسپہ تقاضا — کچھ قرض تو بندے پہ تمھارا نہیں آتا
جاتی رہی زلفوں کی لٹک دیکھ کے ہمارے — افسوس کچھ ایسا ہمیں لٹکا نہیں آتا
آئے تو کہاں جائیے نہ تابی سے کوئی جائے — جبتک نہیں آتا اُسے غصہ نہیں آتا
قسمت ہی سے ناچار ہوں اے ذوق وگرنہ
سب فن میں ہوں میں طاق مجھے کیا نہیں آتا

ساتھ آہ کے دل بھی مع پیکاں نکل آیا — تھا کام تو مشکل مگر آساں نکل آیا
شب ہمنے تہیہ جو کیا توبہ کا ساقی — مغرب سے سحر مہر درخشاں نکل آیا
عصمت بھی ہے کیا شے کہ الگ یوسفِ کنعاں — درہائے مقفل سے عزیزاں نکل آیا
تھا کوچۂ قاتل میں شہادت کا دفینہ — کھودا جو کنواں گنج شہیداں نکل آیا

مطلع ہر اک سے ہے قول آشنائی کا جھوٹا — وہ کافر ہے ساری خدائی کا جھوٹا
نہ منہ ڈال خار آبلہ میں کہ ہوگا — یہ ساغر لئے کہربائی کا جھوٹا
مجھے نعمتِ خلد سے بھی ہے بہتر — ترے در پہ ٹکڑا گدائی کا جھوٹا
رسائی ہوئی۔ جبکہ دامن تک اسکے — ہوا ہاتھ اپنی رسائی کا جھوٹا
خدا جانے ہے ذوق جھوٹا کہ سچا
مگر وہ نہیں آشنائی کا جھوٹا

ردیف الف اشعار متفرقات غزلیات ناتمام

سر ہے سفاک شہرہ ہے نگاہِ یار کا — سچ کہا ہے باڑ کاٹے نام ہو تلوار کا
گر دکھا دوں عالم اپنے نالہ ہائے زار کا — کام لوں ہر تارِ مو سے تارِ موسیقار کا
دیتا ہے کعبہ کو آرائش سیہ جامے کی طرح — زاہد و سایہ مرے بتخانہ کی دیوار کا
استخواں اس سوختہ جاں کے نہ کھانا زینہار — لے ہما یہ رزق ہے مرغانِ آتشخوار کا
کوچۂ زلفِ بتاں میں دل پڑا ہوگا کہیں — پوچھتے ہو کیا ٹھکانا اُس خدائی خوار کا

چاندنی نے شب تجھ بن یہ روپ دکھایا تھا — مجھ کو ماہتابی پر دھوپ میں بٹھایا تھا — فرد
آنا تو خفا آنا جانا تو رُلا جانا — آنا ہو تو کیا آنا جانا ہے تو کیا جانا — مطلع
کیا طبع میں جودت ہے جھٹ دل کی اُڑا جانا — ہونٹوں کا یہاں ہلنا واں بات کا پا جانا — ″
کیوں کہہ کے مکرتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا — کہہ جو تجھے کہنا ہو کہ میں کچھ نہیں کہتا — ″
گردوں درد آشنا کیونکر دل حباب اپنا سا — بلا سے جیسا ہو نہیں ڈھونڈھ لوں شتاب اپنا سا — ″
دیکھیں کس طرح ہو روز فرقت دیکھ کر جیتا — کہ جو عاشق ہو تیرا تیری صورت دیکھ کر جیتا — ″
یوں لائی دانے ہم دل صد پارہ ڈھونڈھ کر — دیکھا جہاں پڑا کوئی ٹکڑا اٹھا لیا — فرد
کعبے کا قصد اور ترے در کے ہجر سے — میں اے صنم ہوں پہلی ہی منزل میں لوٹتا — ناتمام
دل کا سا دیتی ہے گردِ غلطاں کو اضطراب — پھرتا تمام دامن ساحل میں لوٹتا
جنت ہے زندگی میں زمانہ شباب کا — پیری ہے پہلے مرگ سے ہونا عذاب کا — مطلع
ہم برہنہ پا جنوں اور گرم پتھر زیر پا — دوپہر ہے سایہ بھی بیٹھے ہو دبکر زیر پا — ناتمام
نخل گل مہندی تو بو نصف سبو میں اے نگار — تو کھڑا ہو رکھ کے میرا کاسۂ سر زیر پا
زاہد شراب پینے سے کافر ہوا میں کیوں — کیا ڈیڑھ چلو پانی میں ایمان بہ گیا — فرد
کیا کہیں اس سے جو ہو ہم سے زیادہ جانتا — وہ ارادہ ہی ہمارا ہے ارادہ جانتا — ناتمام
کیوں نہ کہ بولتا یہ بندہ محکوم القضا — گر بڑا بول اپنا قاضی کا پیادہ جانتا
قطرہ پیکاں کا ہے ٹکڑا کہ سپری کا ٹکڑا — مکھڑا ہے چاند کا ٹکڑا کہ پری کا ٹکڑا — مطلع
یاں تک عدو زمانہ ہے مرد دلیر کا — جھلسیں ہیں منہ شکار کئے پر بھی شیر کا — ناتمام
جسکے سبب لڑائی ہو وہ آدمی نہیں — کانٹا ہے گھر میں ساہی کا یا گل کنیر کا
بل بے گریہ گلی میں ہو کر قدم گڑنے لگا — اور قدم اکھڑے تو کیا دیکھا بھنور پڑنے لگا — مطلع
ضبط گریہ نے تماشا طرفہ تر دکھلا دیا — چشم کے کونے میں دریا بند کر دکھلا دیا — ″
نالہ جب دل سے چلا سینہ میں پھوڑا اٹکا — چلتی گاڑی میں دیا عشق نے روڑا اٹکا — ″
ہاتھ آکر دل وحشی جو کوئی چھوٹ گیا — ہوس صید سے صیاد کا جی چھوٹ گیا — ″

ناتمام ہی قفس سے شور اک گلشن تلک فریاد کا — خوب طوطی بولتا ہے اندنوں صیاد کا
میں ہوں چکر میں لگی جبدن سے دنیا کی ہوا — حال میرا ہے بعینہ آسیائے باد کا

مقطع ذوق ہی ترک وطن میں صاف نقص آبرو
بکتا پھرتا ہے گہر ہو کر سمندر سے جدا

مطلع لگا ہی تیر دل پر آہ کس کافر کی مژگاں کا — نشاں سوفار کا معلوم ہوتا ہی نہ پیکاں کا
" دل کہاں جسپر گماں ہو غنچۂ تصویر کا — ہی کوئی سینہ میں خوں آلودہ پیکاں تیر کا
" چشم و نگہ کو تیرے بدنام کیوں کریگا — مرگ و قضا کا تیرا عاشق نہ لے مریگا
" عہد پیری نے بھلایا دوڑ چلنا کودنا — ہائے طفلی کھیلنا کھانا اچھلنا کودنا
" مسجد میں اسنے ہمکو آنکھیں دکھا کے مارا — کافر کی دیکھو شوخی گھر میں خدا کے مارا

ردیف بائے موحدہ

پی بھی جا ذوق نکر پیش و پس جام شراب — لب پہ تو یہ ترے دل میں ہوس جام شراب
لب تک آ سکے جو ہوئی دسترس جام شراب — بنگیا خال لب اسکا مگس جام شراب
دل مرا جام شراب ہوس جام شراب — اور ہے خال سویدا مگس جام شراب
پہونچے اس ہاتھ میں وقت ہوس جام شراب — ساغر دل کو جو ہو دسترس جام شراب
جھجکا مستی میں وہ صاحب ہوس جام شراب — عکس خال بینا جو سمجھا مگس جام شراب
بازگشت اپنی ہی یوں جانب قسام ازل — جیسے ساقی کی طرف بازپس جام شراب
دست بدست سر کی ٹوٹ سکے فریاد بہت — نہوا کوئی بھی فریاد رس جام شراب
جوش مستی ہی عجب قافلہ میں ہیں کہ نہیں — ہی شکست سبک صدائے جرس جام شراب
محتسب شعلۂ آواز سے جل جاؤں گا — گرچہ ٹوٹا دل آتش نفس جام شراب
رات میخانے میں ساقی جو نشے میں بہکا — جیسے شیشہ کو لگا کہنے خس جام شراب
مرغ دل نرگس میگوں کی ہو مژگاں میں اسیر — تازہ مضمون ہی جو باندھو قفس جام شراب

دل شکستہ ہوں میں ٹوٹے ہیں ٹکڑے
نام لکھدے جو کوئی میرا بھی جام شراب

ساقی اس دور میں کب آنکھ چرا سکتا ہے
رات بھر گشت کرے ہو عسس جام شراب

نوشدارو سے بھی بہتر ہے دم رنج خمار
ساقیا شربت فریاد رس جام شراب

بے خبر قافلۂ عیش گذر جاتا ہے
بے زباں ہے جو دہان جرس جام شراب

ابلق چشم سیہ مست کو تیری دیکھا
ورنہ اب تک نہ سنا تھا فرس جام شراب

نہ سمجھے میخانے کی عظمت تو نہ بیٹھے ہرگز
سر جمشید پہ اڑ کر مگس جام شراب

نخل مینا سے خدا جانے کہ ساقی کس کو
بیدلے ہو پیچھے ثمر پیش رس جام شراب

بادۂ صاف میں آیا ہے کہاں سے تنکا
عکس مژگاں ترا بیکس ہے خس جام شراب

مجھ کو اس بوسۂ دنداں نے کیس از بوسۂ لب
دے نے نقل نمکیں چند بس جام شراب

ذوق جلدی مے گلرنگ سے بھر ساغر دل
لب نازک کو ہوا سے کے ہوس جام شراب

ہو برسوں ہجر وصل ہو گر ایک دم نصیب
کم ہوگا کوئی مجھ سا محبت میں کم نصیب

ہوں میں ہی خاک کو جو تمہارے قدم نصیب
کھلا کریں نصیب کی میرے قسم نصیب

بہتر ہیں لاکھ لطف و کرم سے ترے ستم
اپنے نہیں نصیب کہ ہوں یہ ستم نصیب

ماری ہو یا ہو ماہ وہ دے ایک یا ہزار
بیداغ ہوں دست فلک کو درم نصیب

ہے خوش نصیب عشق میں اے بوالہوس وہی
جسکو کہ غم پہ غم ہو الم پر الم نصیب

غافل جو دم کی آمد و شد سے نہووے تو
ہر دم ہے تجھ کو سیر وجود و عدم نصیب

سو بار جوں قلم ہو زباں شمع کی قلم
اک حرف ہو نہ شکل زبان قلم نصیب

مجنوں سیاہ خیمۂ لیلے کے گرد پھر
اے خوش نصیب تجھ کو طواف حرم نصیب

دے جسکو اپنے ہاتھ سے تو ایک جام مے
ساقی دے گئے خدا نے اسے شکل جم نصیب

ایماں ہے تیرا شوق لقا جس کو یہ نہو
دیدار اسے خدا کا نہو اے صنم نصیب

جاتے ہیں کوئے یار کو اسمیں جو ہو سو ہو

اے ذوق آزماتے ہیں آج اپنے ہم نصیب

دل عبادت سے چرانا اور جنت کی طلب
کام چور اس کام پر کس منہ سے اجرت کی طلب

حشر تک دل میں رہی اس سرو قامت کی طلب
یہ طلب ہے اپنی یارب کس قیامت کی طلب

دل سلگ جائے نہ جب تک اور بھڑک جائے نہ جان
کم نہ ہو قلیان کش سوز محبت کی طلب

واسطے نظارۂ قاتل کے فرصت چاہیئے
اور یہاں فرصت کہاں جو کیجئے فرصت کی طلب

ہو مبارک خضر کو سرچشمۂ آب بقا
ہے نہیں تجھ کو اگر ہو اپنی شہرت کی طلب

دو رہ اور رہ مت رہ سامنے مثل ہلال
شہر میں تجھ کو اگر ہو اپنی شہرت کی طلب

بڑھ گئی ہے عشق میں حرص اسقدر اپنی کہ ہے
غم یہ غم کی آرزو حسرت یہ حسرت کی طلب

جو حلاوت زندگی کی چاہتا ہے چرخ سے
کاسۂ زہر اس سے کرتا ہے شربت کی طلب

ہو گی دل غمزے کا بسمل ناز پر دیتا ہے دم
کرتا ہے آفت طلب آفت پہ آفت کی طلب

بطن مادر ہی سے جب پیدا ہوا تکلیف سے
یاں کہاں راحت کہ تو کرتا ہے راحت کی طلب

گر گلستان جہاں میں تنگ ہو تو غنچہ وار
سرگشا دل سے اپنے ذوق وسعت کی طلب

کرے ہے شرع کا پاس تک مدام شراب
حرام ہو نہیں لیکن نمک حرام شراب

یہ ایسا ماہ مبارک یہ ایسا کار سعید
شروع دیکھ کے تیجے مہ صیام شراب

عوض ہے نشہ دنیا کا ذوق عقبیٰ پر
دوام بکتی ہے اس میکدہ میں دام شراب

اس بت نا مہرباں کو ہے پسند اپنا رقیب
درد اشعار الٰہی میں بھی ہو تو یار رقیب

ردیف تای مثناۃ

معلوم جو ہوتا ہمیں انجام محبت
لیتے نہ کبھی بھول کے ہم نام محبت

ہیں داغ محبت و رم دام محبت
فردہ تجھے اے خواہش انعام محبت

ہر روز اڑا دیتا ہے وہ کر کے تصدّق — دو چار اسیرِ قفسِ دوامِ محبت
مانند کباب آگ پہ گرتے ہیں ہمیشہ — دلسوز ترے بسترِ آرامِ محبت
کاسہ میں فلک کے نہ رہے نام کو زہراب — دھر ہاتھ کھینچے اگر تشنہ لبِ جامِ محبت
شوقِ حرم کوچۂ قاتل میں کفن کو — ہم جانتے ہیں جامۂ احرامِ محبت
کی جینے رہ و رسمِ محبت اُسے مارا — پیغامِ قضا ہے ترا پیغامِ محبت
زہد سے ہی کام نہ زاہد سے کہ ہم تو — ہیں بادہ کشِ عشق و مے آشامِ محبت
ایماں کو گرو رکھ کے اگر کفر کو لے مول — کافر نہ ہو گر دیدۂ اسلامِ محبت
کہتی تھی وفا نوحہ کناں نعش پہ میری — سونپا کسے تو نے مجھے ناکامِ محبت

معراج سمجھ ذوقؔ تو قاتل کی سناں کو
چڑھ سر کے بل اس زینے پہ تا بامِ محبت

مجنوں نے دی لگا جو سرِ خارزار پشت — پشت اب ہجومِ خار سے ہے پشتِ خار پشت
حوروں کے گر ہو پنجۂ مژگاں سے پشت خار — کھجلائے وہ پری نہ کبھی زینہار پشت
ماہی سے تا بماہ نہیں دستِ فلک کے داغ — واں داغدار سینہ ہے یاں داغدار پشت
پیدا فلک سے ایک نہ ہو تجھ سا ماہوش — نہ پشت تک تو کیا کہ نہ تھا نہ ہزار پشت
بارِ زمانہ پشت پہ لیکر شتر کی طرح — سیدھی نہ کی فلک نے کبھی ایک بار پشت
ہو جائے ہے زیادہ گرانبار سے گناہ — پیری میں ہو خمیدہ نہ کیوں زیر بار پشت
سینہ سپر جو منہ پہ ہیں تیغِ نگاہ کے — دکھلاتے وہ کبھی نہیں آئینہ وار پشت
ڈر ہے یہی کہ ایسا نہ ہو بعدِ مرگ بھی — لگنے نہ دے زمیں سے دلِ بیقرار پشت

رہتا سخن سے نام قیامت تلک ہے ذوقؔ
اولاد سے تو ہے یہی دو پشت چار پشت

ردیف جیم تازی

مطلع بیمار عشق کا جو نہ تجھ سے ہوا علاج　　کہہ اے طبیب تو ہی کہ پھر تیرا کیا علاج
وہ ہی بیماری الفت ہے دل زار کو رنج　　جس سے خود رنج کو آزار ہے آزار کو رنج
دیدۂ آبلۂ پا کا یہی رونا ہے　　کہ نہ پہونچا ہو کہیں مجھ سے کسی خار کو رنج
ہوش کو بیچ کے لے دارو سے بیہوشی تو　　ذوق بیہوش کو آرام ہے ہشیار کو رنج

ردیف جیم فارسی

وہ مثل ہے ناؤ یہ کسنے ڈبوئی خضر نے　　لیگیا خط ذقن دل کو سوئے گرداب کھینچ

ردیف حائے حطی

فرقت کی رات جی چکے ہم تا زمان صبح　　ہوگی اذان گور ہماری اذان صبح
پر نور ہے ترا رخ سیمیں بسان صبح　　آنکھیں ہیں تیری مست صبوحی کشان صبح
اب میکدہ میں شام کو ناقوس پھونکیے　　مسجد میں مدتوں رہے تسبیح خوان صبح
ریش سفید شیخ میں ہو ظلمت فریب　　اس مکر چاندنی پہ نہ کرنا گمان صبح

ٹھہری ہوا نکلنے کی یاں کل یہ جا صلاح　　اے جان بر لب آمدہ اب تیری کیا صلاح
منظور چشم یار ہے سب عین مصلحت　　پوچھے بلاکشوں کی کسی سے بلا صلاح
سیدھے ہی جائیں کعبے کو بیت الصنم سے ہم　　گر پھیر دے نہ وہ صنم کج ادا صلاح
اس چشم مست کے ہیں خراباتیوں میں ہم　　تقوی کجا و زہد کجا و کجا صلاح
اس بد معاملہ سے ترا کیا معاملہ　　کس بد صلاح نے تجھے دی یہ بلا صلاح
رہتا ہے اپنا عشق میں یوں دل سے مشورہ　　جس طرح آشنا سے کرے آشنا صلاح
زاہد یہ کیا کہا کہ نہ مل ان بتوں سے تو　　دیتا ہے کوئی ایسی بھی مرد خدا صلاح

کرتی خراب اسی کو ہے تیری نگاہ مست ۔ جسکو کہ دیکھتی ہے نکوکار و باصلاح
یارب ہو دل کی خیر کہ کچھ کرتے ہیں آج ۔ چشم و نگاہ مشورہ ناز و ادا صلاح
منظور گر ہو قتل مرا تیغ سے نہ پوچھ ۔ ہے تو صلاح نیک میں کیا پوچھتا صلاح
قلابے آسمان و زمیں کے ملا نہ تو ۔ اس مہوش سے ملنے کی ناصح بتا صلاح
یہ ہے مرا رفیق یہی ہے مرا شفیق ۔ لوں کس سے واں کے جانیکی دل کے سوا صلاح
سلے ذوق جانہ ہوش و خرد کی صلاح پر
دے عشق جو صلاح وہی ہے بجا صلاح

ردیف خای معجمہ اشعار سراپا

ہے زلف تری سنبل صحن چمن کی شاخ ۔ قطروں سے پر عرق کی ہے یا سمن کی شاخ
ناف اس صبیح کی ہے کوئی نسترن کا پھول ۔ تا ناف سیلی سینے سے ہے نسترن کی شاخ

اشعار تشبیہ

ہے فیض سے وقار کہ میری نگاہ میں ۔ جس شاخ میں ثمر ہے وہ ہے لاکھ من کی شاخ
بدخصلتوں کو کرتا ہے بالا نشین فلک ۔ اونچی ہے آشیانہ زاغ و زغن کی شاخ
رہتی ہے کشمکش میں پس از مرگ پر جفا ۔ آخر کو زیر ارہ کٹی سرگدن کی شاخ

اشعار مجموع

کہتی تھی چوب تیشہ مری طرح ایک دن ۔ سوکھے گی نخل آرزوئے کوہکن کی شاخ
بیمار چشم دلبر آ ہو نگاہ کہ ۔ شاخیں بھی گر لگائیں تو لیکر ہرن کی شاخ
ہر صید کی کمر سے گئی ٹوٹ جس گھڑی ۔ ٹوٹی کمان دلبر ناوک فگن کی شاخ
مسواک نے بڑھایا ہے زاہد کا اعتبار ۔ ہے یہ بھی اسکی اک شجر مکر و فن کی شاخ

تاثیر بیکسی سے ہو سارا درخت خشک ——— ڈالے جو سایہ نعش پہ اس بیکفن کی شاخ
شاخ نبات کو نئے قلیاں نہ منہ لگائے ——— ایسی مصاحبت سے لگے اس دہن کی شاخ

اشعار قصیدہ

گلگوں سے تیرے بڑھ نہ سکے اک قدم صبا ——— مارے جو تازیانہ نہال چمن کی شاخ
کر دے جو تو نہال تو لائے ابھی نکال ——— پروین کا خوشہ گاؤ سپہر کہن کی شاخ

ردیف دال مہملہ

کیا آئے تم جو آئے گھڑی دو گھڑی کے بعد ——— سینے میں ہوگی سانس اڑی دو گھڑی کے بعد
کیا روکا اپنے گریہ کو ہمنے کہ لگ گئی ——— پھر وہ ہی آنسوؤں کی جھڑی دو گھڑی کے بعد
کوئی گھڑی اگر وہ ملائم ہوئے تو کیا ——— کہ بیٹھینگے پھر ایک کڑی دو گھڑی کے بعد
اس لعل لب کے ہمنے لئے بوسے اسقدر ——— سب اڑ گئی مسی کی دھڑی دو گھڑی کے بعد
اللہ رے ضعف سینے سے ہر آہ بے اثر ——— لب تک جو پہونچی بھی تو چڑھی دو گھڑی کے بعد
کل اس سے ہمنے ترک ملاقات کی تو کیا ——— پھر اس بغیر کل نہ پڑی دو گھڑی کے بعد
کہتا رہا کچھ اُنسے عدو دو گھڑی تلک ——— غماز نے پھر اور جڑی دو گھڑی کے بعد
تھے دو گھڑی سے شیخ جی شیخی بگھارتے ——— وہ ساری شیخی انکی جھڑی دو گھڑی کے بعد
پروانہ گرد شمع کے شب دو گھڑی رہا ——— پھر دیکھی اسکی خاک پڑی دو گھڑی کے بعد
تو دو گھڑی کا وعدہ نہ کر دیکھ جلد آ ——— آنے میں ہوگی دیر بڑی دو گھڑی کے بعد
گو دو گھڑی تک اسنے نہ دیکھا ادھر تو کیا ——— آخر ہمیں سے آنکھ لڑی دو گھڑی کے بعد

کیا جانے دو گھڑی وہ رہے ذوقؔ کسطرح
پھر تو نہ ٹھہری پاؤں گھڑی دو گھڑی کے بعد

مطلع جھومر کا نظر سر پہ تری اب تو چڑھا چاند ——— تھا وعدہ چڑھتے چاند کا لا بوسہ چڑھا چاند

ہے آئینہ خانہ بھی گذرگاہ بد و نیک دیکھا نہ کبھی ہمنے دراہل صفا بند فرد

ردیف ذال معجمہ

مردہ قتل سے اُس عہد شکن کا کاغذ ہے مری روح کو آزادی تن کا کاغذ
گور میں پیش ہو جب نسخۂ تن کا کاغذ ہو سیاہہ کو سفیدی کفن کا کاغذ
بنگیا عکس سے اُس شوخ گلستاں رو کے صفحۂ آئینہ تصویر چمن کا کاغذ
کیا کرے شاہ نہ گیتی کا کوئی دعوی ملک نام پر لکھے ہے اس قصر کہن کا کاغذ
لکھیں اس چشم کے وحشی کے لیئے گر تعویذ اہل تکسیر کریں پوست ہرن کا کاغذ
رقعہ شادی شہادت کا ہو خوں سے رنگیں ایسی شادی کو ہو ایسی ہی چھپن کا کاغذ
سینہ صافوں کو زمانے کے ہو ہاتھوں سے شکست ہے صفائی سے سزاوار شکن کا کاغذ
ورق نسخ ہو گو نسخۂ آشوب نہو سرمۂ چشم مہ سیم بدن کا کاغذ
یوں اسیران قفس تک کوئی پہونچا گلبرگ جیسے غربت میں شفیقان وطن کا کاغذ
ظاہر آرا نہ کتابوں سے ہو ڈر دوزخ سے گرنہ آتش میں لباس اپنے بدن کا کاغذ
جعلسازی پہ زمانے کی گواہی دی ہے مہری سادہ مہ چرخ کہن کا کاغذ
مُہر وہ کرتا ہو نامے پہ مجھے آئے ہے رشک ہائے یوں چپے ہے لعاب اُسکے دہن کا کاغذ

ذوقؔ دل سوختہ دیواں لکھے اپنا کیا خاک
متحمل نہیں گرمی سخن کا کاغذ

ردیف رائے مہملہ

نگہ نہیں حرف دلنشیں تھا بہت کی تنگی سے تنگ ہو کر نکل آیا جو آہ آنکھوں کی دل میں بیٹھا جو تنگ ہو کر
پھر آیا لیوہ نگار خونی ادھر کو سرگرم جنگ ہو کر کہ جسکے ہاتھوں سے اڑگئے سبزہ زار دل مہندیکا رنگ ہو کر
وہ چشم مخمور اک نگاہ سے جھبڑکی لاکھوں جو نشتر سے تو ہو وہاں ہر رگ جگر سے لہو میں نالہ زنگ جھنجر

جو رنگ الفت سے آشنا ہیں گر ہیں بھی ہیں خوش نما ہیں
کہ رنگ ہی سے گرانبہا ہیں عقیق و یاقوت سنگ ہو کر

جو تجھ میں حسن بتاں کو ایماں جنھیں ہے کفر و دیں ہو یکساں
پہونچے کعبہ میں وہ مسلماں ہمیشہ چین و فرنگ ہو کر

صفائے دل کی یہی ہے صورت کہ دل میں آنے نہ دے کدورت
کہ بیٹھ جائینگے بالضرورت اس آئینہ میں زنگ ہو کر

غزال رم دیدہ بن گیا ہے جو خواب آنکھوں میں تو بجا ہے
کہ پھاڑ کھانیکو دوڑتا ہے پلنگ تجھ بن پلنگ ہو کر

ہوئی ہے یکرنگ آنکھ تم کو زیبا نہیں جہاں میں عزت صلا
کہ پایا گل نے ہے نام رعنا تو اس چمن میں دو رنگ ہو کر

حلاوت و شرم و پاسداری جہاں میں ہے ذوق ہیچ و خواری
مزے سے گذری اگر گذاری کسی نے بے نام و ننگ ہو کر

خوب روئے آج ہم سنسان ہامون دیکھ کر
یاد آیا ہمکو مجنوں بید مجنوں دیکھ کر

اڑ گئے اک آن میں جادوی بابل کے دھوئیں
سرمہ آلودہ تری چشم پر افسوں دیکھ کر

دیکھ کر غیروں میں مہتابی پر اس مہوش کو رات
آہ کی اک دل سے ہم نے سوئے گردوں دیکھ کر

سچ کہا ہے آگے کالے کے نہیں جلتا چراغ
چھپ گیا مہ رخ پہ تیری زلف شبگوں دیکھ کر

دل ہے میرے ساغر سرشار وحشت کا نشہ
چھپ گیا خم میں مری صورت فلاطوں دیکھ کر

آگئیں انکو لگانی انگلیوں میں فندقیں
نوک مژگاں پر مرے اشک جگر گوں دیکھ کر

قتل کو کسکے چڑھائی تیغ تو نے سان پر
اتری ہے آنکھوں میں زخموں کی مری خوں دیکھ کر

لے گیا دل کون میرا ذوق کسکا نام لوں
سامنے آجائے تو شاید بتادوں دیکھ کر

کہا پتنگ نے یہ دار شمع پر چڑھ کر
عجب مزہ ہے جو مرئے کسی کے سر چڑھ کر

مرے خیال میں وہ چشم فتنہ گر چڑھ کر
یہ خانہ جنگ ہے آتی ہے لڑنے گھر چڑھ کر

دکھا نہ جوشش و خروش اپنا زور پر چڑھ کر
گئے جہان میں دریا بہت اتر چڑھ کر

ستمگروں کی کشاکش ہے آبرو ہو سوا
کہ ہوئے سان پہ ہے تیغ تیز تر چڑھ کر

الٰہی جسم ہو مانند شعلہ سرکش
پھر آیا باد کے گھوڑے پہ وہ ادھر چڑھ کر

ہنر شناس تو دکھلا ہنر کہ خوبی زر
اگر کھلے ہے تو صراف کی نظر چڑھ کر

کہیں فلک پہ نہ چڑھ جائے چاند جھومر کا
کہ دور آپ کو کھینچے ہے تیری سر چڑھکر

ترا مکان تو کیا لامکاں ہیں کود پڑیں
امید وصل میں ہم بام عرش پر چڑھ کر

جو مارے نفس کو اور کرے اپنے غصے کو زیر
نہ پائے سانپ کا کوڑا وہ شیر پر چڑھ کر

ہماری خاک پہ برپا ہے ذوق فتنۂ حشر
سمند ناز پہ کون آیا فتنہ گر چڑھ کر

جان ہوا یوں ہوئی اُس خال کا بوسہ لیکر
جیسے اُڑ جائے دہن میں کوئی گھٹکا لیکر

تیرا بیمار نہ سنبھلا جو سنبھالا لیکر
چپکے ہی بیٹھ رہے دم کو مسیحا لیکر

شرط ہمت نہیں مجرم ہو گرفتار عذاب
تو نے کیا چھوڑا اگر چھوڑیگا بدلا لیکر

ذبح کرنے کو مرے پوچھتے ہو کیا تکبیر
تم چھری پھیر کبھی دو نام خدا کا لیکر

کھینچتی روز قیامت سے بھی ہو آپکو دور
تیری زلفوں کی بلائیں شب یلدا لیکر

مجھ سا مشتاق جمال ایک نہ پاؤ گے کہیں
گرچہ ڈھونڈھوگے چراغ رخ زیبا لیکر

جب یہ دیکھا نہ ملا مجھ میں کہیں میرا پتہ
پھر گیا نامہ بر باز خط الٹا لیکر

رہ گیا اپنا سا منہ لیکے وہ اسے آئینہ رو
تیری تصویر کو یوسف نے جو دیکھا لیکر

واں سے یاں آئے تھے اے ذوق تو کیا لائے تھے
یاں سے تو جائینگے ہم لاکھ تمنا لیکر

کل گئے تھے تم جسے بیمار ہجراں چھوڑ کر
چل بسا وہ آج سب ہستی کا ساماں چھوڑ کر

طفل اشک ایسا گرا دامان مژگاں چھوڑ کر
پھر نہ اُٹھا کوچۂ چاک گریباں چھوڑ کر

کیونکہ نکلے تیر اسکا دل میں پیکاں چھوڑ کر
جائے بیضے کو کہاں یہ مرغ پراں چھوڑ کر

کام یہ تیرا ہی تھا رحمت ہو اے ابر کرم
ورنہ جائے مرغ عصیاں میرا داماں چھوڑ کر

جسنے ہو لذت اٹھائی زخم تیغ عشق کی
کب وہ مرہم داں کو ڈھونڈھے ہے نمکداں چھوڑ کر

صید دل کو کیونکہ چھوٹے جبکہ دکھلائے ہو تو
مچھلیاں شست خطائی میں مرجاں چھوڑ کر

سرد مہری سے کسی کے آگے ہی دل شرر ہو
یا نسیم ہٹا دھوپ ہو ابر بہاراں چھوڑ کر

دیکھئے کیا ہو کہ ہے اب جان کے پیچھے پڑی
دلکو اے کافر تری زلف پریشاں چھوڑ کر

ایدل اسکے تیر کے ہمراہ سینے سے نکل
ورنہ پچھتائیگا تو یہ ساتھ نادان چھوڑ کر

کیوں نہ رم کر جائیں آہو ایسے وحشی سے ترے
شیر بھاگیں جسکے نالوں سے نیستاں چھوڑ کر

سُرخی پاں دیکھ لے زاہد جو دنداں پر ترے
اُٹھ کھڑا ہو ہاتھ سے تسبیح مرجاں چھوڑ کر

پیش خیمہ ہے کہ نکلا گرد باد دود آہ
ہے جو سرگرم سفر تن کو مری جاں چھوڑ کر

گر خدا دیوے قناعت ماہ یک ہفتہ کیطرح
دوڑے ساری کو کبھی آدھی نہ انساں چھوڑ کر

ساغر دل بیچتا آیا ہوں کھو مت ہاتھ سے
چوکتا ہے کیوں یہ جنس دستگرداں چھوڑ کر

پڑھ غزل اے ذوق کوئی گرم سی اب تو نہ جا
جانب مضمون طرز گفتہ جاناں دیکھ کر

جب چلا وہ مجھ کو بسمل خوں میں غلطاں چھوڑ کر
کیا ہی پچھتاتا تھا میں قاتل کا داماں چھوڑ کر

میں وہ مجنوں ہوں جو نکلوں کنج زنداں چھوڑ کر
سیب جنت تک نہ کھاؤں سنگ طفلاں چھوڑ کر

ہووے میرا ہی لہو مانی جو لب اس شوخ کے
کھینچے تو شنگرف سے خون شہیداں چھوڑ کر

میں وہ ہوں گمنام جب دفتر میں نام آیا مرا
رہ گیا بس منشی قدرت جگہ دان چھوڑ کر

سایۂ سرو چمن تجھ بن ڈراتا ہے مجھے
سانپ سا پانی میں اے سرو خراماں چھوڑ کر

ہو گیا طفلی ہی سے دل میں ترازو تیر عشق
بھاگیں ہیں مکتب سے ہم اوراق میزاں چھوڑ کر

اہل جوہر کو وطن میں رہنے دیتا گر فلک
لعل کیوں اس رنگ سے آتا بدخشاں چھوڑ کر

شوق ہے اسکو بھی طرز نالۂ عشاق سے
دمبدم چھوٹے ہے منہ سے دود قلیاں چھوڑ کر

دل تو لگتے ہی لگیگا حوریان عدن سے
باغ ہستی سے چلا ہوں ہائے پریاں چھوڑ کر

گھر سے بھی واقف نہیں اُسکے کہ جسکے واسطے
بیٹھے ہیں گھر بار سب ہم خانہ ویراں چھوڑ کر

وصل میں گر ہووے مجھکو رویت ماہ رجب
رشتے جاناں ہی کو دیکھوں میں تو قرآں چھوڑ کر

اندنوں گرچہ دکن میں ہے بڑی قدر سخن
کون جائے ذوق پر دلی کی گلیاں چھوڑ کر

بلبل ہوں صحن باغ سے دور اور شکستہ پر
پروانہ ہوں چراغ سے دور اور شکستہ پر

کیا ڈھونڈھے دشت گمشدگی میں مجھ کو ہے
عنقا ہے سراغ سے دور اور شکستہ پر

اس مرغ ناتواں پہ ہے حسرت جو رہ گیا
مرغان کوہ و زاغ سے دور اور شکستہ پر

ساقی بط شراب ہے تجھ بن پڑی ہوئی
خم سے الگ ایاغ سے دور اور شکستہ پر

خود اُڑ کے پہونچے نامہ جو ہو مرغ نامہ بر
اُس شوخ خوش دماغ سے دور اور شکستہ پر

کرتا ہے دل کا قصد کماندار تیرا تیر
پر ہے نشان داغ سے دور اور شکستہ پر

اے ذوق میرے طائر دل کو کہاں فراغ
کوسوں ہے وہ فراغ سے دور اور شکستہ پر

اشعار متفرقات ردیف راے مہملہ

شرح بخت برگشتہ گر گردوں رقم کر
تیر بازگشتی ہو ہاتھ میں قلم پھر کر

تو نے گل کو سر پہ رکھا جب چمن میں توڑ کر
میں بھی حاضر ہوں کہا غنچے نے یہ منھ پھوڑ کر — مطلع

وہ کہے کون ہے قرباں مری اس چتون پر
میں کہوں ہیں تو کہے میں کہ چھری گردن پر — ناتمام

تیرے دندان مسی زیب کی دیکھی جو بہار
اوس سی پڑ گئی گلشن میں گل سوسن پر

بعد مردن آ چکے رونے کو سنگ گور دور
جیتے ہی جی کہتے ہو صورت تری درگور دور — مطلع

رو کش بال ہما ہیں اُن ہوا گیروں کے پر
لگ گئے جن طائروں کو پر ترے تیروں کے پر — ،،

انکو لے پر عرش اعظم پر اُڑاتے ہیں مرید
کیا غضب لائیں خدا جانے جو ہوں پیروں کے پر

بادام دو جو بھیجے ہیں بٹوے میں ڈالکر
ایما ہے یہ کہ بھیجدو آنکھیں نکال کر — مطلع

اے دل وہ سر غمزہ پنہاں عیاں نہ کر
آنکھوں سے دیکھ اور زباں سے بیاں نہ کر — ،،

آہ نہیں درد دل جو نکالوں تو وہ کہے
اے تفتہ جان ہوا سے یہاں دھواں نہ کر

اشعار متفرقات ردیف سین مہملہ

مطلع مجھ میں کیا باقی ہی جو دیکھے ہو تو آن کے پاس   بد گمان وہم کی دارو نہیں لقمان کے پاس
" چمن سے بعد ہیں جیسے سین و قاف قفس   قفس میں بند ہیں ہم مثل فائے ناف قفس

ردیف صاد مہملہ

سب مذاہب میں یہی ہی نہیں اسلام میں خاص   کہ جہاں عام ہو ہوتا ہی وہاں عام میں خاص
ساغر دل کی تو واقف نہیں کیفیت سے   دیکھ عکس رخ ساقی ہو اسی جام میں خاص
خضر باتیں ہیں کہ ہی چشمۂ حیوان جان بخش   ہی یہی خاصیت اسکی لب دشنام میں خاص
شیخ صاحب کے ہیں نزدیک وہ خاصان خدا   خدمتی انکے ہیں جو زمرۂ خدام میں خاص
کام دن رات ہی عاشق کا ترے ناکامی   کر دیا تو نے لگا اسکو اسی کام میں خاص
عشق کا جوش ہی جبتک کہ جوانی کے ہیں دن   یہ مرض کرتا ہی شدت انھیں ایام میں خاص

ذوق اسماء الٰہی ہیں سب اسم اعظم
اسکے ہر نام میں عزت ہے نہ اک نام میں خاص

ردیف ضاد معجمہ

پر کترنے کو جو صیاد نے چاہی مقراض   ہاتھ ملتی تھی مرے حال پہ کیا ہی مقراض
بحر و بر میں نہیں کسکو ہوس قطع و برید   ناخن شیر ہے خنجر دم ماہی مقراض
گل کترتی ہیں ہزاروں تری آنکھیں کافر   ہی عجب طرح کی اک تیز نگاہی مقراض
کیا زباں چلتی ہی اُس بزم میں بدگوئی کی   منھ میں اُنکے یہ زباں ہو کہ الٰہی مقراض
محضر خوں جو مرا سارا الٹ کر پھینکا   دیگی اس ظلم کی محشر میں گواہی مقراض
پاس کیا قطع تعلق میں کہ یکساں سمجھے   قطع میں کسوت درویشی و شاہی مقراض

رشتۂ عمر کیا قطع سراسر اسے ذوق
کھو سکی شمع کے دل کی نہ سیاہی مقراض

ردیف عین مہملہ مقطع

ذوق کیونکر ہوا اپنا دیوان جمع — کہ نہیں خاطر پریشان جمع

ردیف قاف

پھر کر ادھر اُدھر نہ ہمارا گیا قلق — لفظ قلق کی طرح سے وہ ہی رہا قلق

ردیف کاف تازی

جو کھلکر انکا جوڑا بال آئیں سر سے پاؤں تک — بلائیں آکے لیں سو سو بلائیں سر سے پاؤں تک
ہم انکی چال سے پہچان لینگے انکو برقع میں — ہزار اپنے کو وہ ہم سے چھپائیں سر سے پاؤں تک
یہ جتنے سرو ہیں سب اُسکے قد پر زہر کھاتے ہیں — چمن میں سبز کیونکر ہو نہ جائیں سر سے پاؤں تک
مرا دل یک دلا اُس خوش ادا کی کس ادا کو دوں — کہ ہیں واں تو ادائیں ہی ادائیں سر سے پاؤں تک
سراپا شوق جائیں سر کے بل ہم جسکے جلسے میں — مثال شمع وہ ہمکو جلائیں سر سے پاؤں تک
نہوں ذرّہ تو کیوں وہ گلرخی ہی ہو کی شوخی سے — پکھائیں جلوہ میں ذرّہ دکھائیں سر سے پاؤں تک
بنایا اسلئے اس خاک کے پتلے کو تھا انساں — کہ اسکو درد کا پتلا بنائیں سر سے پاؤں تک
سراپا پاک ہیں دھوئے جنہوں نے ہاتھ دنیا سے — نہیں حاجت کہ وہ پانی بہائیں سر سے پاؤں تک

مزہ اتنا ہی ذوق افزوں ہو جتنے زخم افزوں ہوں
نہ کیوں ہم زخم تیغ عشق کھائیں سر سے پاؤں تک

صفحۂ دہر پہ یک دل نہوا ایک سے ایک — دل کے دو حرف ہیں سو وہ بھی جدا ایک سے ایک

ردیف لام

پھنسے نہ حلقۂ گیسوئے تابدار میں دل
بلا سے گر ہو تو الجھے وہاں ہزار میں دل

بغل میں جیسے مرا دل بغل کا دشمن ہے
نہ ایسا ہو کسی دشمن کے بھی کنار میں دل

نکل نہ جائے دل اضطراب سینہ سے
برنگ شعلہ کہیں آہ شعلہ بار میں دل

ہمیشہ روزن سینہ سے کیوں ہے چشم براہ
اگر نہیں کسی مہوش کے انتظار میں دل

ترا شکار بھی ہے وہ بلا کہ جائے گزر
پڑے زلف مسلسل کے تار تار میں دل

اُڑیگا مثل شرر ٹکڑے ہو کے سنگ مزار
رہا اگر یونہیں گرم تپش مزار میں دل

برنگ غنچۂ پیکان و غنچۂ تصویر
نہ دیکھا اپنا شگفتہ کسی بہار میں دل

فلک کے رنگ سے ظاہر ہے ماتمی آثار
خوش اپنا کیونکہ ہو اس نیلگوں حصار میں دل

برنگ سبحۂ نور وز توڑے دل اُس نے
ہزاروں یک ہمارا ہے اک قطار میں دل

ہزار دشمن جاں ہے ایک دوست بُرا
جو پوچھو کون ہے سو میں کہوں ہزار میں دل

نہو میں خلد میں حوریں تو رہتا خلد میں کون
لگے ہے صحبت خوبان گلعذار میں دل

یہ جسم زار ہے یا میرے پیرہن میں دل،
گرہ ہے تار میں یا میرے جسم زار میں دل

اُٹھا تو لائے تجھے میرے ہمنشیں لے ذوق
رہیگا میرے عوض میرا کوئے یار میں دل

ازل سے یوں دل عاشق ہے نور کی قندیل
کہ جیسے عرش خدائے غفور کی قندیل

سمجھ وہ ذرۂ بنا گوش نور کی قندیل
تجلی سے ہے اختر صبح نشور کی قندیل

ہمارے کعبۂ دل میں ہمیشہ روشن ہے
کسی کی تاب کمال ظہور کی قندیل

جہاں ہے خانۂ عشرت جبھی ہو اسکا فروغ
کہ لٹکے آئیں سر پر غرور کی قندیل

رہے ہے جوں قمر منخسف سدا بے نور
سیاہ بختوں کے بالین گور کی قندیل

پڑے جو عکس ترا جام میں تو ہو روشن
حباب بادہ تجلی سے طور کی قندیل

عیاں ہے یوں مرے روز سیاہ میں خورشید ‏ کہ جیسے شب کو نظر آئے دُر کی قندیل
سوائے دل کے ہو تاریخ باغ خلد سے بھی ‏ کبھی پسند نہ اس رشک حور کی قندیل
اُڑے جو آہ کے ہمرہ گل کے پارۂ دل ‏ ہوئی ہوا میں وہ صورت طیور کی قندیل
وہ تیر ہیں یہ مرے نالۂ قیامت زا ‏ کہ ان کے رکھنے کو لازم ہے صور کی قندیل
نسیم کیا ہے کہ روضہ میں نقش جانوں کی ‏ نہ گل ہو باد سے آوازِ صور کی قندیل
سمجھتا قدر ہے ناقص کب اس غزل کی ذوقؔ
یہ روشن آپ نے کیوں پیش کور کی قندیل

ناتمام

دیوانہ ہوں ترا مجھے کیا کام کہ لوں گل ‏ زیبائش سر کو ہے مرے داغ جنوں گل
سو ٹکڑے ہیں اڑی کی برنگ گل صد برگ ‏ کیا وحشت تو نری میں کترتا ہے جنوں گل
اُس گل میں نہ پایا اثر بوئے محبت ‏ سو بار سونگھا کے اُسے پڑھ پڑھ کے فسوں گل
ہے روشنی خانۂ دل سوز محبت ‏ کافر تو بتا شمع حرم کیونکہ کروں گل
پیکان تو دلدوز ہے سوفار رہے باہر ‏ اُس تیر سے ہے دل میں مرے دل غنچہ بروں گل

ردیف میم

پابند جوں دخال ہیں پریشانیوں میں ہم ‏ یا رب ہیں کس کی زلف کے زندانیوں میں ہم
ہوتی نہ یاد زلف تو خط شکستہ میں ‏ لکھتے الف خطوں کی نہ پیشانیوں میں ہم
زنجیر میں بھی نالۂ زنجیر کی طرح ‏ جوش جنوں سے رہتے ہیں جولانیوں میں ہم
پائی نہ تیغ عشق سے ہم نے کہیں پناہ ‏ قرب حرم میں بھی ہیں تو قربانیوں میں ہم
دوزخ بھی جائے نعرۂ ہل من مزید بھول ‏ لائیں جو آہ کو شرر افشانیوں میں ہم
پاکوبیوں کو مژدہ ہو زنداں کو ہو نوید ‏ پھر ہیں جنوں کی سلسلہ جنبانیوں میں ہم

تم بھی نہیں جگر پہ ہے اسقدر ہے
سرگرم سوز عشق کی بہتانیوں میں ہم

مطلب سے اپنے کون ہو آگاہ بجز خدا
جوں خط سرنوشت ہیں پیشانیوں میں ہم

ہیں آئینہ میں صورت تصویر آئینہ
آئینہ رو کے سامنے حیرانیوں میں ہم

ہو وہ عزیز سورۂ یوسف سے بھی جدا
رکھدیں تری شبیہ جو کنعانیوں میں ہم

کیا جانیں ہم زمانہ کو حادث ہو یا قدیم
کچھ ہو بلا سے اپنی کہ ہیں فانیوں میں ہم

کیوں جی کو ہجر میں ہوئے شرمندہ یار سے
اب مر رہے ہیں اُسکی پشیمانیوں میں ہم

پوشیدہ ان نگاہوں میں سرخوش ہیں تا بدن
شرب لہو کرتے ہیں نصرانیوں میں ہم

سینہ کا چاک سینے کی فرصت کہاں کہ ہیں
مصروف زخم دل کی نگسرانیوں میں ہم

بیم کدورت دل صیاد گر نہ ہو
کیا کیا اُڑائیں خاک پرافشانیوں میں ہم

دکھلائیں روز حشر کو بین السطور سے
اپنے سیاہ نامہ کی طولانیوں میں ہم

جا سکتے ضعف سے نہیں کوچے تلک ذوق
بہجائیں کاش گریہ کی طغیانیوں میں ہم

شمع نازاں نہو اک رات بہا آنسو گرم
برسوں یاں آنکھ سے ٹپکا ہی مرے لوہو گرم

جل بلے اسے آتش غم دل کو کرے یہ تو گرم
کہ زمیں پشت سمک تک ہو تہ پہلو گرم

لطف بوسہ نہ رہا ہم پہ ہوا جب تو گرم
شربت قند دیا کرکے یہ آتش خو گرم

تن رہا یوں ہی تب غم سے اگر گرم مرا
تیغ آہن کی طرح ہوں گے بدن پہ مو گرم

نیشتر چلکے نہ جوں کشتۂ فولاد ہو خاک
نکلے ہو آتش سودا سے مری لوہو گرم

کٹ سکا صید محبت کا نہ قاتل سے گلا
اُسنے پتھر پہ یہ رگڑا کہ ہوا چاقو گرم

آتش دل سے پس از مرگ برنگ شعلہ
خاک عاشق سے نکلتا ہی گل خود رو گرم

مہروش جل بجے ترے حسن جہانتاب کی تاب
رخ سے گرم آئینہ ہو آئینہ سے زانو گرم

کیا کہوں نامۂ جانسوز کی اپنے تاثیر
جل گیا بس یہ کبوتر کا ہوا بازو گرم

سر مجروح کو ٹھکرا کے گیا وہ اور میں
چونکا اسوقت کہ جب منہ پہ بہا لوہو گرم

دستِ خورشید کی رعشہ سے ہی جائے چھوٹ   کھینچکر تیغ کو جب ہو وہ ہلال ابرو گرم
دلِ عاشق کے جلانیکا ہے سارا ساماں   بینی شعلہ ہے تری رنگِ بھبھوکا رو گرم
کونسا سوختہ جاں صبح سے ہی گرمِ فغاں   کہ ہوا آتی ہے کوچے سے ترے گلرو گرم

ہم تو سنتے تھے سدا اکل حموض باردو
ذوقؔ ہوتا ہے تو کیوں ہوکے ترش ابرو گرم

ردیف نون

بے یار روزِ عید شبِ غم سے کم نہیں   جامِ شراب دیدۂ پُرنم سے کم نہیں
دیتا ہے دورِ چرخ کسے فرصتِ نشاط   ہو جسکے پاس جام وہ اب جم سے کم نہیں
اس زلفِ فتنہ زا کے لئے اے مسیح دم   کچھ دستِ شانہ پنجۂ مریم سے کم نہیں
زیبا ہو رخِ زرد پہ کیا اشک لالہ گوں   اپنی خزاں بہار کے موسم سے کم نہیں
سرعت ہو نبض کی رگِ سنگِ مزار میں   دل کی تپش کچھ اب بھی تپِ غم سے کم نہیں
ہوتی ہو جمع زر سے پریشانی آخرش   درہم کی شکل صورتِ درہم سے کم نہیں
ساقی ملے ہزار فلاطوں ہیں خاک میں   جو خم تہی ہے قالبِ آدم سے کم نہیں
اُس حور وش کا گھر مجھے جنت سے ہے سوا   لیکن رقیب ہو تو جہنم سے کم نہیں
شورابۂ سرشک سے دھوتا ہوں زخمِ دل   تیزاب میرے حق میں یہ مرہم سے کم نہیں
ہاتھوں سے تیرے پارۂ الماس زخمِ دل   مجھ کو تو جلوۂ گل و شبنم سے کم نہیں

اے ذوقؔ کسکو چشمِ حقارت سے دیکھئے
سب ہمسے ہیں زیادہ کوئی ہمسے کم نہیں

ہاں تامل دمِ ناوک فگنی خوب نہیں   ابھی چھاتی مری تیر دل سے چھنی خوب نہیں
تشنۂ دشتِ محبت کے لئے اُس لب سے   کوئی دنیا میں عقیقِ یمنی خوب نہیں
گل پریشان ہوا ہنسکے چمن میں آخر   دیکھ اے غنچہ یہاں خندہ زنی خوب نہیں

خوبیاں یوں تو ہیں اس عالم تصویر میں سب — اک مگر ناز سے یہ کم سخنی خوب نہیں
چشم کہتی ہے تری جنبش مژگاں سے کہ دیکھ — سر پہ بیمار کے یہ سینہ زنی خوب نہیں
یہ نہیں شیشۂ مے ہے کسی میخوار کا دل — محتسب دیکھ نکر دل شکنی خوب نہیں
تاب دنداں نہ دکھا بزم میں ہنس ہنس کر تو — کوئی کھا جائے جو ہیرے کی کنی خوب نہیں
بات تو ہمنے بنائی تھی وہاں خوب مگر — تھی جو بگڑی ہوئی قسمت تو بنی خوب نہیں
خلش خار کا کھٹکا ہے بغل میں موجود — دیکھ گل دعوی نازک بدنی خوب نہیں
اُٹھتا ہی جائیگا اک دل سے دھواں آہ کیساتھ — جبتلک جلنے کا یہ سوختنی خوب نہیں

کون آتش نفس اے ذوق چمن سے گذرا
آج جو سردیِ نسیم چمنی خوب نہیں

ہفتاد و دو فریق حسد کے مدد سے ہیں — اپنا ہے یہ طریق کہ باہر حسد سے ہیں
مُردار ہیں وہ طائر سدرہ ہی کیوں نہوں — تیر نگاہ یار کے جو دور زد سے ہیں
خورشید وار دیکھتے ہیں سب کو ایک آنکھ — روشن ضمیر ملتے ہر اک نیک و بد سے ہیں
وہ مست ہوں کہ رکھتے قدح کش تمنا — بنیاد میکدہ مری خشت لحد سے ہیں
جاں دادگان عشق سے پوچھو رہ فنا — اسمیں جناب خضر ابھی نابلد سے ہیں
چشم ثمر ہے سرو سے انکو جو بیوقوف — رکھتے امید دوستی اُس سرو قد سے ہیں
دشنام دو کہ بوسہ خوشی پر ہے آپ کی — رکھتے فقیر کام نہیں ردّ و کد سے ہیں
برہیں خنک دلوں کے تو گر خرقۂ فقیر — سمجھو کہ کرتے برف کی پوشش نمد سے ہیں
وہ ایک دم کہ جسمیں میسر ہو وصل یار — بہتر سمجھتے ہم اسے عمر ابد سے ہیں
جتنے ہیں مائل ترے روش نشۂ شراب — ہو جاتے بدمزہ ہیں جو بڑھ جاتی حد سے ہیں
ہر چند ناتواں ہیں مگر رکھتے دل قوی — ہم عشق کی کمک سے جنوں کی مدد سے ہیں
جانان لباسیوں کے نہ ظاہر لباس پر — عاری عبائے ہوش و قبائے خرد سے ہیں
محفوظ ہیں جو رکھتے درِ عزّ و قدر پر — ابجد کا نقل قاعدۂ اب و جد سے ہیں

دلکے ورق پہ ثبت ہیں صد مہر داغ عشق
ہم کرتے ذوق عشق کا دعویٰ سند سے ہیں

بلائیں آنکھوں سے انکی مدام لیتے ہیں — ہم اپنے ہاتھوں کا مژگاں سے کام لیتے ہیں
ترے خرام کے پیرو ہیں جتنے ہیں فتنے — قدم سب آن کے وقت خرام لیتے ہیں
شب وصال کے روز فراق میں کیا کیا — نصیب مجھ سے مرے انتقام لیتے ہیں
ترے اسیر جو صیاد کرتے ہیں فریاد — تو پھر وہ دم ہی نہیں زیر دام لیتے ہیں
جھکائے رہے سر تسلیم ماہ نو ہر روز — غرور حسن سے کس کا سلام لیتے ہیں
ترے قتیل بتاتے نہیں تجھے قاتل — جب اس سے پوچھو اجل ہی کا نام لیتے ہیں
ہم انکے زور سے قابل نہیں ہیں وہ شہ زور — جو عشق میں دل مضطر کو تھام لیتے ہیں
فقط قمر ہی نہ داغی غلام ہے اُن کا — وہ مول ایسے ہزاروں غلام لیتے ہیں
ہمارے ہاتھ سے لے ذوق وقت مینوشی
ہزار ناز سے وہ ایک جام لیتے ہیں

دود دل سے ہے یہ تاریکی مرے غمخانے میں — شمع ہے اک سوزن گم گشتہ اس کاشانے میں
ہیں سحر وحشت کہن مدت سے اس ویرانے میں — برسوں مسجد میں رہا برسوں رہا بتخانے میں
مستی و نا آشنائی وحشت و بیگانگی — یا تری آنکھوں میں دیکھی یا کسی دیوانے میں
میں وہ کیفی ہوں کہ پانی ہو تو بنجائے شراب — جوش کیفیت سے میرے خاک کے پیمانے میں
عشق کو نشو و نما منظور ہے ورنہ سبز — تخم اشک شمع ہو جاتا کسی پروانے میں
برق خرمن سوز دانائی ہے نافہمی تری — ورنہ کیا کیا لہلہاتے کھیت ہیں ہر دانے میں
کس قدر نازک ہے دیکھو اتحاد حسن و عشق — زلف واں شانے میں کھینچی درد یاں شانے میں
ایک پتھر جو ملے کو شیخ جی کعبے گئے
ذوق ہر بت قابل بوسہ ہے اس بتخانے میں

رکھتا ز بسکہ جیفۂ دنیا سے ننگ ہوں — پارس بھی ہو تو جانتا مردار سنگ ہوں

ہوں وہ شگفتہ دل کہ نہ دوزخ میں تنگ ہوں — آہن کی طرح آگ میں بھی لالہ رنگ ہوں
جو ہے سو پہلے سیر ہے اُٹھانے کی فکر میں — محفل میں اسکی کیا کوئی جو سر کا رنگ ہوں
منظور مجھ کو ضبط مرے دل کو اضطراب — دل میرا مجھ سے تنگ ہے میں دل سے تنگ ہوں
پروانہ میں نہیں تو نہیں پر ہوں شعلہ دست — ہکھی بھی ہوں تو خال وہاں تفنگ ہوں

غزل

مے پلا کر ساقیاں سامری فن آب میں — کرتے ہیں جادو سے اپنے آگ روشن آب میں
زلف افعی وش کو ڈبووے گر وہ پر فن آب میں — ہو بجائے موج پیدا مار رہزن آب میں
چشمۂ آئینہ میں کب تر ہوا پائے نگاہ — اسطرح جاتے ہیں دیکھا پاکدامن آب میں
پھرتا ہے سیل حوادث سے کہیں مرد کا منھ — شیر سیدھا تیرتا ہے وقت رفتن آب میں
صحبت صافی دلاں سے ہوں مکدر تیرہ دل — زنگ سے آلودہ ہو جاتا ہے آہن آب میں
اب بھی گریے سے مجھے فرصت نہیں فوارہ وار — گو کہ میں دو پا کھڑا ہوں تا بگردن آب میں
طاس قلیاں میں کہا ہے اُسنے ابر مردہ کو — ڈوب مر ڈر رو کے تو اے ابر بہمن آب میں
دیکھنا آبی دوپٹہ ہے اُسکے وقت حباب — برج آبی میں ہے یہ یا مہر روشن آب میں
میں ہوں تفسیدہ دل کر جائے اک دریا کو جذب — گر پڑے گر ذرہ میری خاک تن آب میں
یوں رہا ہیں زندگی بھر تشنۂ دیدار یار — جیسے مستسقی کا دم ہوتا ہے مردن آب میں
سایۂ سرو چمن سمجھے بن ڈراتا ہے مجھے — اژدہا بنکے شنا ہے زنگ گلشن آب میں
وعدہ ہے کہ آئیگا اسکے ابر چھا جائے تو آئے — ڈالتا ہوں میں دم اُٹھ اُٹھ کے روغن آب میں
خط کو ہم لکھنے جو بیٹھے آنکھ سے اُمڈے اشک — بہ گیا خط لکھتے لکھتے مشفق من آب میں

غزل

اس گلستان جہاں میں کیا گل عشرت نہیں — سیر کے قابل ہے یہ پر سیر کی فرصت نہیں

علم جسکا عشق اور جسکا عمل وحشت نہیں — وہ فلاطوں ہو تو اپنے قابل صحبت نہیں
خواہ پھرتا ہو فلک اور خواہ پھرتی ہو زمیں — یہ ہمارے واسطے یاں منزل راحت نہیں
بسمل تیغ محبت کا لب ہر زخم دل — ہوتا وا ہے شور واویلا و وا حسرت نہیں
منھ میں گر پانی چوا دے یار اپنے ہاتھ سے — مرگ کی تلخی سے شیریں تر کوئی شربت نہیں
ہے نوشتے میں ترے بیمار کے صحت کہاں — جسکے نسخے میں دوا کی نقط کو صحت نہیں
کھاکے زخم تیغ قاتل جو بجا لائے نہ شکر — کوئی بھی اُس سے زیادہ کافر نعمت نہیں
خاک ہوکر بھی فلک کے ہاتھ سے ہمکو قرار — ایک ساعت مثل ریگ شیشۂ ساعت نہیں
خانۂ ہستی کا اپنے صحن ہے دشت عدم — روز کر لیجیے چہل قدمی مگر رخصت نہیں
میری وحشت پاؤں پھیلائے تو کچھ دونوں جہاں — ہوں اگر اک عرصۂ میداں تو کچھ وسعت نہیں
ایک دل اور اسپر اتنے بار غم اللہ رے دل — اور اس طاقت پہ ایسا کوئی بے طاقت نہیں

ذوق اس صورتکدہ میں ہیں ہزاروں صورتیں
کوئی صورت اپنے صورتگر کی بے صورت نہیں

وقت پیری شباب کی باتیں — ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں
اسکے گھر لے چلا مجھے دیکھو — دل خانہ خراب کی باتیں
واعظا چھوڑ ذکر نعمت خلد — کر شراب و کباب کی باتیں
حرف آیا جو آبرو پہ مرے — ہیں یہ چشم پر آب کی باتیں
یاد ہیں مہ جبیں کہ بھول گئے — وہ شب ماہتاب کی باتیں
تجھکو رسوا کرینگی خوب اے دل — تیری یہ اضطراب کی باتیں
جاؤ ہوتا ہے اور بھی خفقاں — سنکے ناصح جناب کی باتیں
جام مے لب سے تو لگا اپنے — چھوڑ دو شرم و حجاب کی باتیں
سنتے ہیں اسکو چھیڑ چھیڑ کے ہم — کس مزے سے عتاب کی باتیں
دیکھ اے دل نہ چھیڑ قصۂ زلف — کہ یہ ہیں پیچ و تاب کی باتیں

ذکر کیا جوش عشق میں لے ذوق
ہمسے ہوں صبر و تاب کی باتیں

ہے جی میں اپنے عزہ جوہر کو توڑ دوں
آئینہ خیال مکدر کو توڑ دوں

میں کاٹ دوں پہاڑ کو پتھر کو توڑ دوں
پر کیونکہ غیر سے بت کافر کو توڑ دوں

کیا دور جام ہو جو کہے سر پہ دور چرخ
گر چاک پر بھی ہو تو میں ساغر کو توڑ دوں

راہ جنوں میں جلد اُٹھاؤں جو میں قدم
پائے رفیق و ہمت و رہبر کو توڑ دوں

کیا دشمنی ہے اہل کرم سے کہے ہے چرخ
یا تنگ جھکاؤں شاخ ثمرور کو توڑ دوں

ساقی لڑائیوں سے تری چاہتا ہے جی
باہم لڑا کے شیشہ و ساغر کو توڑ دوں

احسان ناخدا کے اُٹھائے مری بلا
ت کشتی خدا پہ چھوڑ دوں لنگر کو توڑ دوں

ہر موج بحر عشق کو یہ بل ہے بل بزور
کہتی ہے دست و پائے شناور کو توڑ دوں

نازک کلامیاں مری توڑیں عدو کا دل
میں وہ بلا ہوں شیشے سے پتھر کو توڑ دوں

پھر اُس مژہ کو یاد کرے دل تو ولیں ذوق
نشتر چبھو سکے میں سر نشتر کو توڑ دوں

نہ چھوڑا تار وحشت نے ہمارے جیب و داماں میں
مگر تار نفس سینہ میں سمجھو یا گریباں میں

کوئی ڈھونڈے کدھر دلکو ہجوم داغ سوزاں میں
ملے کھوج ایک پروانہ کا کیا اتنے چراغاں میں

کئے ہی جا ہوا اے دل شکایت تشنہ کامی کی
رہے آب اسکے جبتک تیغ میں خنجر میں پیکاں میں

ہدف ہے تیر کا اسکے گل ہر داغ دل میرا
ہمیشہ آب پیکاں سے ہے شبنم اس گلستاں میں

جو لذت آشنائے مرگ ہوتا خضر تو ہرگز
نہ پیتا آب حیواں ڈوب مرتا آب حیواں میں

[ناتمام] آج اُنسے مدعی کچھ مدعا کہنے کو ہیں
پر نہیں معلوم کیا کہوینگے کیا کہنے کو ہیں

وصف چشم اور صفت لب اس یار کا کہنے کو ہیں
آج ہم درس اشارات و شفا کہنے کو ہیں

ہیں دہن غنچوں کے وا کیا جانیں کیا کہنے کو ہیں
شاید اُسکو دیکھ کر صل علیٰ کہنے کو ہیں

میں ترے ہاتھوں کے قرباں واہ کیا مارے ہیں تیر
سب دہان زخم تجکو مرحبا کہنے کو ہیں

وہ جنازے پر مرے کس وقت آئے دیکھنا
جبکہ اذن عام مرے اقربا کہنے کو ہیں

عنقا کی طرح خلق سے عزلت گزیں ہوں میں
ہوں اس طرح جہاں میں کہ گویا نہیں ہوں میں ناتمام

میں وہ نہیں کہ تم ہو کہیں اور کہیں ہوں میں
میں ہوں تمہارا سایہ جہاں تم وہیں ہوں میں

اس در پہ شوق سجدہ سے فرش زمیں ہوں میں
مانند سایہ سر سے قدم تک جبیں ہوں میں

تارا سا تہ پہ ہوں میں کنوئیں کی برنگ آب
نام آسماں پہ میرا ہو زیر زمیں ہوں میں

ہوں طائر خیال نہ پر ہیں نہ میرے بال
پر اُڑ کے جا پہونچتا کہیں سے کہیں ہوں میں

غم نامہ اپنا صفحۂ محشر سے کم نہیں
ہے شور الغیاث صریر قلم نہیں ناتمام

گو اضطراب دل کو بیاں کرتے ہم نہیں
پر جو نگاہ سے ہے رگ بسمل سے کم نہیں

ہو لوٹ جب رزے سے یہ دامن ہمارا پاک
گر چھینٹ بھی پڑی تو بحمداللہ درم نہیں

یہ ضبط پیچ و تاب کہ میرے سر مزار
گیسوے دود شمع میں بھی پیچ و خم نہیں

منصوبہ مارنے کا مرے کرتے ہیں حریف
اور مجھ میں مثل بازی شطرنج دم نہیں

سرباز عشق کے لئے دار الاماں کہاں
محفوظ قطع سے سر شیخ حرم نہیں

غزل

گذرتی عمر ہے یوں دور آسمانی میں
کہ جیسے جاوے کوئی کشتی دخانی میں

روکاؤ خوب نہیں طبع کی روانی میں
کہ بو فساد کی آتی ہے بند پانی میں

وفور اشک اگر سر باوج ہوا اپنا
فلک برنگ گل نیلوفر ہو پانی میں

کہانیاں ہیں حکایات خضر و آب بقا
بقا کا ذکر ہے کیا اس جہان فانی میں

نہیں خضاب سے مطلب ہمیں یہ موے سفید
سیاہ پوش ہوئے ماتم جوانی میں

وہ سیدھے گھر کو سدھارے اور انکی کھوج میں ہم
بھٹکتے ہوے کوے بدگمانی میں

مبصروں سے کہو دیکھیں جبین ابروے یار
جو ہیں ایسے کہاں تیغ اصفہانی میں

ہمیشہ ہو مجھے سرمایۂ بقا میں ثبات
حباب وار ہوں میں آب زندگانی میں

بجز نثار علی شاہ کون جانے ذوق
تری زباں کا مزہ تیری شعر خوانی میں

تو کہے غنچہ کہ اس لب پہ دھڑی خوب نہیں — جب کہ منہ چھوٹا سا اور بات بڑی خوب نہیں
سامنے سے مرے ٹلتا نہیں ناصح جب تک — منغض کھانا مرا دو چار گھڑی خوب نہیں
فتنہ سرکش ہو جبھی تک کہ تری آنکھوں نے — دست مژگاں سے کوئی دھول جڑی خوب نہیں
منہ چڑھو تیغ غم عشق کی کیا منہ ہے ترا — بوالہوس تجھ پہ کوئی ضرب پڑی خوب نہیں
خوبرویوں سے بہت آنکھ لڑی پر افسوس
تہمت اے ذوق کہیں اپنی لڑی خوب نہیں

ناتمام

ہیں نہاں محو خود نمائی میں — بیر ہے پر خودی خدائی میں
ہو سکے اک بوسے پہ ترش ابرو — بات کو ڈالتا کھٹائی میں
نہیں کبھی ہیں وہ فرنگی زاد — ماہ ہے منزل ہوائی میں
ذوق ہو ایک رند شاہد باز
اسکو کیا دخل پارسائی میں

ناتمام

ہم اپنے جذبۂ دل کے اثر کو دیکھتے ہیں — وہ پہلے بزم میں دیکھیں کدھر کو دیکھتے ہیں
گہر کو جوہری صراف زر کو دیکھتے ہیں — بشر کے دیکھنے والے بشر کو دیکھتے ہیں
وہ روز ہمکو گذرتا ہے جیسے عید کا دن — کبھی جو شکل تمہاری سحر کو دیکھتے ہیں
بنا کے آئینہ دیکھے ہے پہلے آئینہ گر — ہنرور اپنے ہی عیب ہنر کو دیکھتے ہیں

اشعار متفرقات غزلیات ناتمام

ردیف نون

شب ہجر تھی کہ اور ہی ماہ ہوا پیچ و تاب میں — کیا جانیں لکھ دیا اسے کیا اضطراب میں

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں — واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں

بے بادہ غوزگی میں ہوا ذوق جوں مویز
کی تو بہ بیوقوف نے ناحق شباب میں

ابکی دل لیلوں تو پھر اس بت قاتل کو نہ دوں — جان دوں مال دوں ایمان دوں پر دلکو نہ دوں ناتمام
چار ٹکڑے کرو دل کے کہ نہیں ہو سکتا — لب کو دوں رخ کو نہ دوں زلف کو دوں تل کو نہ دوں ،،

لگے سہم یہ ترے ناوک مژگاں دل میں — اتنے موتی پہ نہیں جتنے ہیں پیکاں دل میں ناتمام
گھر ہی کر بیٹھا ہمارے غم ہجراں دل میں — پہنچے جاتا تھا کوئی ڈنکا ہے یہاں دل میں ،،

گر ترا نور نہیں چشم میں کیا ہے اسمیں — کہنا فیہ نظر عین خطا ہے اس میں ناتمام
تو نکلیں توڑ نہ دل لگا کہ بڑی محنت سے — اسم کو میں نے ترے کندہ کیا ہے اسمیں ،،

نہ ڈال آبلہ اے گرمی فغاں منہ میں — کہ چپکا بیٹھ رہوں بھر کے گھنگنیاں منہ میں ،،
ہمارا پی کے لہو تیرے تیر کا سوفار — یہ چپ ہوا ہے کہ گویا نہیں زباں منہ میں ،،

کیوں نہ لڑوائیں انہیں غیر کہ کرتے ہیں یہی — ہمنشیں جنکے نصیبے کہیں لڑ جاتے ہیں ،،
اتنے بگڑے ہیں وہ مجھ سے کہ اگر نام ان کا — لکھتا کاغذ پہ ہوں تو حرف بگڑ جاتے ہیں ،،

اسیر رنج و غم میں ہوں مریض جاں بلب میں ہوں — اور اس پر ابتلک جیتا ہوں میں کوئی عجب میں ہوں ،،
جو مانگوں موت درد ہجر سے مجھ کو نہیں ملتا — کہ نام عشق لوں اور اسقدر راحت طلب میں ہوں ،،

نیرنگ کفک ہوں نہ ترا فندق پا ہوں — میں کچھ نہیں لیکن ترے قدموں سے لگا ہوں ،،
مجنوں نہ مجھے سمجھے ہو چراغ رہ مقصود — میں ناقۂ لیلیٰ کا سراغ کف پا ہوں ،،

وہ مہر تو میں تاب وہ گوہر ہے تو میں آب — نہ مجھ سے جدا وہ ہے نہ میں اس سے جدا ہوں ،،
کرے ہی وحشت بیاں چشم شوخ اسکو کہتے ہیں — یہ سچ کہتے ہیں سر چڑھ کے بولے جادو اسکو کہتے ہیں

سوال بوسہ کو ٹالا جواب چین ابرو سے — برات عاشقاں بر شاخ آہو اسکو کہتے ہیں
جگر اور دل کا جتنا حوصلہ تھا آل گیا سارا — نگہ کے تیر کا ہونا ترازو اسکو کہتے ہیں
عدو نیش زن ہر دم ہے میرے در پئے ایذا — یہ موذی زہر کی ہے گانٹھ بچھو اسکو کہتے ہیں

جو پوچھے عقل یہ مجھ سے بتا کیا نام ہے تیرا — کہوں دیوانۂ چشم پری رو اسکو کہتے ہیں
کبھی شیریں نہ دل سے کوہکن نے کوہ کو کاٹا — محبت یہ نہیں ہے زور بازو اسکو کہتے ہیں

مطلع دبنالے سے سرمہ کے دھواں ہیں تری آنکھیں — کہنہ بیٹھیں نہ کچھ سیف زباں ہیں تری آنکھیں
״ مرنالوں سے چپ ہیں مرغ خوش الحان زمانے میں — صدا طوطی کی سنتا کون ہے نقارخانے میں
״ سینہ و دل پہ مرے زخم جگر ہنستے ہیں — ہنسنے دو چارہ گر و ہنستے ہی گھر بستے ہیں
• صوفی ہو کہ ہو میکش قائل مرے دونوں ہیں — پر مذہب و مشرب سے غافل مرے دونوں ہیں
״ مرگئے پر بھی تغافل ہی رہا آنے میں — بیوفا پوچھے ہے کیا دیر ہے لیجانے میں
شعر میں ہوں وہ جگر خون کہ مسامات بدن سے — گر خون بھی نکالوں شفقی رنگ نکالوں
״ کہتی ہے ماہی بریاں کہ دبیران قضا — داغ دیتے ہیں اسے جسکو درم دیتے ہیں
مطلع جس جگہ بیٹھے ہیں با دیدۂ نم اٹھے ہیں — آج کس شخص کا منہ دیکھ کے ہم اٹھے ہیں
״ کہتے تھے آپکو خاطر سے ہماری پرسوں — ہو گئے برسوں نہوئی پردہ تمہاری پرسوں
״ یہ طوق اسواسطے چھوٹا ہوا قمری کی گردن میں — کہ تھا بلبل کی قسمت کا پڑا قمری کی گردن میں
״ زاہد گمراہ کے کسطرح میں ہمراہ ہوں، — وہ کہے اللہ ہو اور میں کہوں اللہ ہوں
قطعہ ہائے کل سب آشنا تیرے مریض عشق کے — تھے علاج ضعف دل ضعف تن کی فکر میں
آج گھبرائے ہوئے پھرتے ہیں با چشم پر آب — گاہ تدبیر کفن میں گہہ کفن کی فکر میں
مطلع رخصت جو ہمسے ہو کر جاتے وہ اپنے گھر ہیں — گھبرا کے پہونچتے ہم وہاں اسنے پیشتر ہیں

ردیف واو

دانہ خرمن ہے ہمیں قطرہ ہے دریا ہمکو — مل گئے ہے جز میں نظر کل کا تماشا ہمکو
اس بلندی پہ دیا عشق نے پہونچا ہمکو — کہ فلک آیا نظر خال سے چھوٹا ہمکو
ہم وہ مجنوں ہیں کہ دل اپنا ہے صحرا ہمکو — اور جوں خیمۂ لیلیٰ ہے سویدا ہمکو
اسنے خط جو قلم مصر سے لکھا ہمکو — لکھا اپائے خوشی ہے سویدا ہمکو

ہکو مکدر بس اب اے چرخ نہ اتنا ہمکو
ہمنے جانا کہ کیا خاک سے پیدا ہمکو
شوق مستی میں ہے سیر گلگشت چمن کا ہمکو
چاہیئے جائے عصا گردن مینا ہمکو
ہو دیگا کشتی طوفاں زدہ تابوت اپنا
آگیا اپنے اگر مرنے پہ رونا ہمکو
بستگی دلکو ہے کیوں اس گرہ زلف کے ساتھ
کیا سبب کچھ نہیں کھلتا یہ معما ہمکو
ہم وہ مجنوں ہیں کہ گرد رم آہو کی طرح
بھاگے ہے دور ہی سے دیکھ کے صحرا ہمکو
کس سے تدبیر درستی ہو ہماری جوں زلف
کہ شکستوں سے بنایا ہے سراپا ہمکو
جا بجا نام تو جوں نقش قدم چھوڑ گیا
خاک گم ہو کے گیا ڈھونڈنے عنقا ہمکو
ادر ہدر دکہاں ہو نہو اے حضرت دل
ورد اب تمکو ہمارا ہو تمھارا ہمکو
پھینک کر شیشۂ دل ہاتھ سے کہتا ہے وہ مست
کیا بنایا تھا ہتھیلی کا پھپھولا ہمکو
اثر کفر ہے طاعت سے بھی اپنے پیدا
نقش سجدہ کا ہے پیشانی پہ ٹیکا ہمکو
نخل خرما کی طرح باغ محبت میں ملا
کثرت زخم سے اک خلعت زیبا ہمکو
ایکدم تنگ وہ آئے تھے بغل میں اے سر
غم دوری سے کیا تنگ ہے کیا کیا ہمکو
تن سے کیا جان کر جان اپنی نکلنے پاوے
ہو نہ گر شرط ترے آنے کا بھروسا ہمکو
آن پہونچی سر گرداب فنا کشتی عمر
ہر نفس باد مخالف کا ہے جھونکا ہمکو
ہو سکے لاغری ضعف کہاں مانع شوق
تری جانب پہ پرواز ہیں اعضا ہمکو
ہم گئے جسکی طرف جوں گل بازی اسنے
پاس آنے نہ دیا دور ہی پھینکا ہمکو
رشک تھا اپنے نوشتے پہ کہ اس نو خط نے
خط لکھا غیر کو اور بھولکے بھیجا ہمکو
ہر قدم پانو میں سر رکھتے ہیں خار سر دشت
اے جنوں لوٹنے تو کانٹوں میں گھسیٹا ہمکو
کرتے جوں کوہ نہیں ہم تو سخن میں سبقت
پردہ کچھ ہمسے سنے گا جو کہے گا ہمکو
اپنا ہے کعبۂ مقصود فقط گوہر دل
طوف گرداب صفت چاہیئے اپنا ہمکو
لگ گئی آنکھ جو سوتے میں ہی زلفوں سے کہے
شب سیاہی نے کئی بار دبایا ہمکو
حرف تلخ اسلب شیریں سے ہر اک بات پہ آہ
ناصحا سنتے ہیں ہم کچھ تو ہے میٹھا ہمکو

خاک سے کیونکہ ہماری گل رعنا نہ اُگے
کہ کسی گل کی دورنگی نے ہی مارا ہمکو

ایک دم عمر طبیعی ہے یہاں مثل حباب
فکر امروز نہ ہے نہ غم فردا ہمکو

جتنے عاشق ہیں ہم ایک کا ہے ایک عزیز
شمع سے چاہیئے ہے خون کا دعوے ہمکو

کیا ستم ہے کہ پئے قطع رہ عشق فلک
اژسان دیتا ہے دندان عوض پا ہمکو

دل میں کبھو قطرۂ خوں چند سو مانند انار
نہ رہا وہ بھی جب الفت نے نہ چھوڑا ہمکو

ملگئیں خاک میں حق صبور ہیں ہے انکا خیال
کیوں نہ فانوس خیالی ہو بگولا ہمکو

ہم وہ ہیں وحشی لاغر کہ چھپا لیتی ہے
زیر دامن نگہ آہوئے صحرا ہمکو

ہم نہ کہتے تھے کہ ذوق اسکی تو زلفوں کو نہ چھیڑ
اب وہ برہم ہے تو ہے تجھ کو قلق یا ہمکو

آسماں اور وہ انسان بنانا ہمکو
خاک میں تھا مگر اس کو ہے ملانا ہمکو

قتل کیوں کرتے ہیں فتراک سے باندھا ہمکو
چھوڑ ہو نیند سے تڑپکر ابھی ٹھنڈا ہمکو

دل شکستہ نگر اس یار نے سمجھا ہمکو
خط بھی جو خط شکستہ ہی سے لکھا ہمکو

باعث رشک ہوا عشق ہمارا ہمکو
تجھ بن دیکھے ہے عشق جسنے کہ دیکھا ہمکو

کر دیا گریہ نے آخر سبک ایسا ہمکو
لیگئے اشک بہا جوں کف دریا ہمکو

اسپہ مرتے ہیں کہ کیوں غیر کو تو نے مارا
وہ نصیب اسکو ہوئی تھی جو تمنا ہمکو

ہے دہی جنبش لبہائے جراحت پس قتل
کس لب تیغ کے بوسے کا ہے لپکا ہمکو

ہم وہ ہیں گرم رو راہ دفا جوں خورشید
سایہ تک بھاگ گیا چھوڑ کے تنہا ہمکو

خال سُرمہ کا تمھیں چاہیئے زیبائش کو
اختر سوختہ ہے اپنا ہی بھایا ہمکو

یہ تو یوں مضطرب اور سینہ میں لاکھوں زود ن
دل کا رہنا نظر آتا نہیں اچھا ہمکو

ٹپکا مژگاں سے لہو ہوکے جگر آخر کار
ایک مدت سے اسی بات کا ڈر تھا ہمکو

خط توام سے لکھو گو رپہ تاریخ وفات،
کہ رہی وصل کی تا مرگ تمنا ہمکو

کون غلطیدہ تھا خاک سر کو پہ تیرے
خواب شب بستر مخمل پہ نہ آیا ہمکو

جسکی آواز سے ہوں رونگٹے سو ہاں کے کھڑے — وہ محبت نے دیا سلسلۂ پا ہمکو
اک حلاوت ہے عداوت میں بھی اس ظالم کی — کہ اگر زہر بھی دیتا ہو تو میٹھا ہمکو
دیکھا آخر کو نہ پھوڑے کیطرح پھوٹ بہے — ہم بھر بیٹھے تھے کیوں آپ نے چھیڑا ہمکو
ٹپکے ہی جائے عرق ہر بن مو سے پیکاں — یہ ہدف کس نے کیا تیر جفا کا ہمکو
ہمسفر ہو نہ سکا کوئی بھی اپنا لیکن — جاذبہ پہونچا نے گیا تا لب دریا ہمکو
ہم وہ ہیں رند کہ اس عالم پیری میں بھی ہو — اُس میخانے سے جوں شیشۂ مینا ہمکو
سنگدل تیرے بن اب گور میں بھی بھاری ہیں — ہو سو ہم میں ترے آئینکا جو دھڑکا ہمکو
تو ہنسی سے نہ یہ کہہ مرتے ہیں ہم بھی ہتیر — مار ہی ڈالیگا بس رشک ہمارا ہمکو
پھرتے ہی آنکھ کے پھیرینگے گلے پر خنجر — ہو چکا آپ کا معلوم ہوا یا ہمکو
گرمی تب سے ہوا سوز درد دل جو افشا — آگیا مارے خجالت کے پسینا ہمکو
حسرت اپنے جواری وحشت کہ گریباں کا تار — ہو گیا ضعف سے تار رگ خارا ہمکو
کھانے پینے کی قسم کھائی ہے تجھ بن ہمنے — ورنہ ہے زہر تو ہر طرح گوارا ہمکو
نہ اٹھیں شور قیامت سے بھی وہ مست ہیں ہم — کہے جبتک کہ نہ تم لب مینا ہمکو
ہم تبرک ہیں بس اب کرے زیارت مجنوں — سر پہ پھرتا ہو لئے آبلہ پا ہمکو
وصل کا اسکے تصور جو بندھا رہتا ہے — تو مزے ہجر میں بھی آتے ہیں کیا کیا ہمکو
واہ قسام ازل صدقے ہم اس قسمت کے — جام عشرت اُسے اور داغ تمنا ہمکو
دل میں نشتر نگہ یار کا آہی کھٹکا — وہی پیش آیا جو مدت سے تھا کھٹکا ہمکو

قطعہ

رہی ہر طرح ہو صیدی کہ کبوتر کیطرح — ہاتھ سے اس بت بیدرد کے ایذا ہمکو
صید ہی ہیں نہ فقط ذبح کا کچھ قصد رہا — صلح بھی ٹھہری تو پھر کا ہی کے چھوڑا ہمکو
ذوق بازیچۂ طفلاں ہے سراسر یہ زمیں

ساتھ لڑکوں کے پڑا کھیلنا گویا ہمسکو

رند خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو
تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

ناخن نہ دے خدا تجھے اے پنجۂ جنوں
دیگا تمام عقل کے بخیے اُدھیڑ تو

عمر رواں کا توسن چالاک اسلئے
تجھ کو دیا کہ جلد کرے یاں سے ایڑ تو

اے زاہد دو رنگ نہ پیر آپ کو بنا
مانند صبح کاذب ابھی ہے ادھیڑ تو

اس صید مضطرب کو تامل سے ذبح کر
دامان و آستیں نہ لہو میں لتھیڑ تو

جو سوتی بھیڑ باعث غوغا جگائی پھر
دروازہ گھر کا اس سگ دنیا سے بھیڑ تو

مر جائیگا جو تیرا گرفتار دام زلف
تربت پہ اُسکے جال کا پائیگا پیڑ تو

یہ تنگنائے دہر نہیں منزل فراغ
غافل نہ پانوں حرص کے پھیلا سکیڑ تو

آوارگی سے کوئے محبت کی ہاتھ اُٹھا
اے ذوق یہ اُٹھا نہ سکیگا کھکھیڑ تو

موت ہی سے کچھ علاج درد فرقت ہو تو ہو
غسل میت ہی ہمارا غسل صحت ہو تو ہو

ہو تو ہو آباد کیونکر یہ خراب آباد دل
عشق غارتگر اگر دنیا سے غارت ہو تو ہو

کہتے ہیں شور قیامت جسکو وہ ہے چشم یار
تیرے مستوں کی صفیر خواب غفلت ہو تو ہو

گر پڑے ہے آگ میں پروانہ سا کرم ضعیف
آدمی سے کیا نہو لیکن محبت ہو تو ہو

انتظار یار میں جو چشم ہو جا دے سفید
ہر پلک اسمیں کہاں ہو داغ حسرت ہو تو ہو

آدمیت سے ہے بالا آدمی کا مرتبہ
پست ہمت یہ نہو ادر پست قامت ہو تو ہو

اب زباں پر بھی نہیں آتا کبھی الفت کا نام
اگلے مکتوبوں میں کچھ رسم کتابت ہو تو ہو

آج اک پگڑی ہوئی تھی میکدہ میں رہن مے
ذوق وہ تیری ہی دستار فضیلت ہو تو ہو

تمنا نہیں ہے کہ امداد دل کو تپش کا صلہ ہو کہ مزد قلق ہو
یہی حق ہے قاتل اگر حق دلائے یہ بسمل ترے پانوں پر جاں بحق ہو

کتاب محبت میں اے حضرت دل بتاؤ کہ تم لیتے کتنا سبق ہو
کہ جب آن کر تم کو دیکھا تو وہ ہی لئے دست افسوس کے دو ورق ہو
کر دو دونوں آنکھوں کے طبقے یہ روشن کہ ہو ایک رشک مہ چاردہ تم
سنا ہو کہ تم نور سے اپنے کرتے منور بیک جلوہ یہ چودہ طبق ہو
یہ کشتوں کا اس نازنک کے یاں پتا ہو کہ ان تیرہ بختوں کے مرقد پہ کوئی
اگر سنگ موسیٰ کا تعویذ رکھدے تو رکھتے ہی بس درمیاں سے دو شق ہو
مری زندگی تھی ابھی اے ستمگر مسیحائی جو کر گئی تیری ٹھوکر
کہ ٹھکرایا تو نے تو یوں تھا سمجھ کر نکل جائے جاں کچھ جو سد رمق ہو
اگر رشک گلشن نہ ہو مجھ سے باہم تو گلشن میں ہو ٹوٹے یہ مستی کا عالم
چٹکنا ہو غنچوں کا آواز شنیعم چمن مجھکو اک وادی لق و دق ہو
اگر زخم سینے سے پھاہا اٹھاؤں تو خورشید محشر کو تپ سی چڑھاؤں
وگر سینۂ داغ دل کو دکھاؤں تو صبح قیامت کا منہ دم میں فق ہو
یہ بحر و قوافی غزل کے بدلکر رقم اک غزل کر کہ اے ذوق جس میں
نہ ہو لفظ مغلق نہ تعقید مطلق جو فی الجملہ کچھ ہو تو مضمون ادق ہو

غزل دیگر

جس ہاتھ میں خاتم لعل کی ہو گر اسمیں زلف سرکش ہو
پھر زلف بنے وہ دست موسے جیسیں اخگر آتش ہو
اے قاتل حلق بریدہ سے اک شعلۂ دل جو سرکش ہو
تو روشن حلقہ جیب سے اپنے دیکھ تنور آتش ہو
ہو تیرا سیہ رو صبح ہجراں مجھ سے رخصت مہوش ہو
کیوں کھینچوں آہ کہ خور بھی نہاں زیر دود آتش ہو

لبریز شراب ناز دکھا تو ساغر چشم کافر کو
تا زاہد پاک طینت ہو تا صوفی دلکش میکش ہو

تم وہ وہ رخ سنم دل پر پیکر کرتے ہو دکھلانے کو
پر برشش تیغ ناز سے اپنے دل میں کرتے غشغش ہو

دل نخل میں قد کے جوں گر یا جھیپ کر چشم کافر سے
اب اژدہ جنبش ابرو سے کیونکر نہ بزہ سرکشاکش ہو

لبیک اذاں ناقوس و جرس یا خندۂ قلقل نالے نے
دل کھینچنے میں ہاں کوئی ہو پر ایک نوا سے دلکش ہو

بن تیر کے گھر کے آرائش دشمن جاں ہو عاشق کے
محراب طاق کماں بنجائے دستہ نرگس ترکش ہو

مانند نمکداں چرخ پر انجم حق نے بنایا اس خاطر
تا ہر لب زخم حسرت اپنا ہجر کی رات نمک چش ہو

گر کلک آہ کو پھیروں میں تو سرمۂ دود دل سے پھر
شب صفحۂ ماہ منور کا جوں سینۂ باز منقش ہو

جب ضعف سے مجھ کو غش آیا تو طنز سے کیا وہ کہتا ہے
بس غش نہ کرو معلوم ہوا کچھ مرنے پر تم حد غش ہو

اک خون کا دریا جذب کیا ہے خاک کوئے قاتل نے
ہاں دفن کو ایسے کشتوں کے ایسی ہی زمین دلکش ہو،

اس بحر میں کیا برجستہ غزل اے ذوق یہ تمنے لکھی ہے
ہاں وزن کو جسکے سنکر شاد اں روح خلیل و اخفش ہو

تاہم

دن کٹا جائیے اب رات کدھر کاٹنے کو
جب سے تو پاس نہیں دوڑے ہے گھر کاٹنے کو

ہائے صیاد تو آیا مرے پر کاٹنے کو
میں تو خوش تھا کہ چھری لایا ہے سر کاٹنے کو

لیئے عاشق کو نہ کھلواؤ کنی ہیرے کی | اسکے آنسو ہی کفایت ہیں جگر کاٹنے کو
بجا کہے جسے عالم اُسے بجا سمجھو | زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو   ناتمام
نفس کی آمد و شد ہے نماز اہلِ حیات | جو یہ قضا ہو تو اے غافلو قضا سمجھو
پڑھو کتاب کے قصو نہیں کیا کرو دل صاف | جو دل ہو صاف ہے از روضۃ الصفا سمجھو
ہنسے جو وہ مرے رونے پہ توصف مژگاں | نہ سمجھو تم اُسے [illegible] سمجھو
اثر ہے وہ مری وحشت کا بستر جس سے مضطر ہو | نگیں پر نام گر لکھدوں نکلکر گھر سے باہر ہو ،،
ترا مجنون نقشہ دشت میں آتش قدم گر ہو | جلادے زیر پا گر خار رفتگانِ سمندر ہو
بچائے حق تعالیٰ اس یزید زندہ سے | کہ خوں سید کا جس بے رحم کو خوں کبوتر ہو
رہائی قتل پر موقوف ہو گر ہم اسیروں کی | روانی تیغ کی پابستۂ زنجیر جوہر ہو
ڈبودیں گر سکندر سا آشنا کو اپنی صحبت میں | تو آہن ساتھ کیوں لکر ٹپکے دریا میں شناور ہو
کوسوں کیا تنگئے زمانے کو | کہ نہیں جا ہے سر اُٹھانے کو
قصد کعبے کا تھا پھرے الٹے | چوم کر اُسکے آستانے کو
تو ملنگ ر نہو تو عشق میں [illegible] | ایک آندھی ہے خاک اڑانے کو
یہانتک لاغری ہے اس کے ہے بیمار کے تن کو | عجب کیا ہے جو سمجھے طوق گردن چشم سوزن کو ،،
زیادہ ہوتا ہے پیری میں فربہ نفس امارہ | یہ بالو کی سپیدی شیر ہے اُس کا رہزن کو
کمند نام و شہرت کھینچ لاتی ہے عدم سے بھی | لپٹ کر مثل طوق فاختہ عنقا کی گردن کو
ہجوم آور جو آنکھوں میں ترا شوق تماشا ہو | تو شاخ ہر مژہ سے چشم نرگس وار پیدا ہو ،،
سنگ دنیا میں زمردن بھی دامنگیر دنیا ہو | کہ اس کشتی کی مٹی سے بھی کتا گھاس پیدا ہو
تصور کس طرح بھولے ترا اس چشم گریاں کو | نکالی میں بہ بستے ہیں کوئی کیا گھر سے مہماں کو ،،
نکالوں کسطرح سینے سے اپنے تیر جاناں کو | نہ پیکاں دلکو چھوڑے ہے نہ دل چھوڑے ہے پیکاں کو
پتھرا دیا جلوے نے ترے چشم صنم کو | چکرا دیا غمزہ نے ترے طوف حرم کو ،،
کیا پوچھتا ہے تو عمل بغض و محبت | چلتا ہوا تعویذ سمجھ نقش درہم کو

دیکھا دمِ نزع دلارام کو — عید ہوئی ذوقِ رُخِ شام کو

مطلع تم مسی ملکر نہ غرفے سے نکالا منہ کرو — اور نہیں گر ملتے ہو جاؤ کالا منہ کرو

یا تو پاس دوستی تجھ کو بتِ بیباک ہو — یا مجھی کو موت آجائے کہ قصّہ پاک ہو

منزلِ گم گشتگاں بالکل الگ دنیا سے ہو — آسماں بھی ہو اگر وہاں بیضۂ عنقا سے ہو

〃 اشکباری مری مژگاں کی ذرا دیکھیں تو — کتنے پانی میں ہیں فوارے بھلا دیکھیں تو

〃 جتنا ہی نمک تم مرے زخموں میں کھپاؤ — پلکوں سے اٹھاؤ گے نہ ہاتھوں سے گراؤ

〃 ترے بیمار کو گر اپنے جینے کی تمنا ہو — فلک پر شکے ہنستے ہنستے شادیٔ مرگ عیسیٰ ہو

〃 بہ چرخ صندلی ہم کو نہ صندل دلائے اسکو — گر سنے عود کو غرق تو جلائے اسکو

〃 خبر کر جنگ نوفل کی تو مجنوں اہلِ ہاموں کو — کیا وہ تا صبا کھینچ لائے شاخِ بید مجنوں کو

〃 عبث تم اپنا رکاوٹ سے منہ بناتے ہو — ڈلب پہ آئی ہنسی دیکھ مسکراتے ہو

〃 جاتے ہیں اتو کو سے بتِ لالہ فام کو — اپنا تو بس سلام ہے دارالسّلام کو

〃 سکھے ایک جب سن لے انسان دو — کہ حق نے زباں ایک دی کان دو

ردیف ہائے ہوّز

مرتے ہیں ترے پیار سے ہم اور زیادہ — تو لطف میں کرتا ہے ستم اور زیادہ

دیں کیونکہ نہ وہ داغِ الم اور زیادہ — قیمت میں بڑھے دل کی درم اور زیادہ

ساتھ اپنے ہے اب فوجِ الم اور زیادہ — کر تو بھی بلند آہ علم اور زیادہ

تیز اسنے جو کی تیغِ ستم اور زیادہ — مشتاقِ شہادت ہوئے ہم اور زیادہ

مر کٹ کے سرفراز ہیں ہم اور زیادہ — جوں شاخ بڑھے ہوکے قلم اور زیادہ

گر شرحِ جنوں کیجئے رقم اور زیادہ — ہو چاک ابھی جیبِ قلم اور زیادہ

دیتا ہے وہ دم باز جو دم اور زیادہ — شیشے کی طرح پھولے ہیں ہم اور زیادہ

گھبراتا جو یاد آیا ترا ہوکے ہم آغوش — گھبرانے لگا سینہ میں دم اور زیادہ

لکھ کی رقم شوق نے تاثیر جو پیدا
اٹھنے لگا قاصد کا قدم اور زیادہ

لذت سے محبت کی ہے ہر زخم جگر کو
ذوق نمک درد و الم اور زیادہ

کرنے کو سیہ نہ ورق چرخ لکھوایہ دل
نالے سے نہیں کوئی قلم اور زیادہ

کیا ہوئیگا دو چار قدح سے مجھے ساقی
میں لونگا ترے سر کی قسم اور زیادہ

گر میری طرح دوش پہ ہو بار محبت
ہو پشت فلک میں ابھی خم اور زیادہ

دشمن کی نگا سیدھی نگاہوں پہ کہ جوں تیغ
سیدھی ہو تو ایک اس میں ہو خم اور زیادہ

ہو جسکو پس از مرگ بھی یاد دہن تنگ
تنگ اسکو کرے کنج عدم اور زیادہ

اس زلف کے مارے کی اگر خاک کو چاٹے
پیدا ہو مرا افعی میں ہو سم اور زیادہ

اس شوخ ستمگر کو مری مرگ ہے منظور
ہو زہر نہ کھانا مجھے سم اور زیادہ

ہستی تنک مایہ نے کچھ پھونکا ہے ایسا
ابھرے ہے حباب لب یم اور زیادہ

وہ دل کو چرا کر جو لگے آنکھ چرانے
یاروں کا گیا اس پہ بھرم اور زیادہ

ہو سوز محبت سے مری خاک میں گرمی
کیونکر نہ اٹھائے وہ قدم اور زیادہ

دکھلائے جو وہ صید فگن چشم کی شوخی
ہو آہوئے رم دیدہ کو رم اور زیادہ

ہو روغن نقط لب مرے گریہ میں اے چشم
بھڑکے ہے جو یوں آتش غم اور زیادہ

ہے نکہت ریحاں کا دماغ اب کسے تجھ بن
آتا ہے مرا ناک میں دم اور زیادہ

جو پیٹ کے ہلکے ہیں تجھے بات کہا انسے
رکھیں تو اگل جائے شکم اور زیادہ

* ہمیں سر خار سے نکلا سر صحرا
بڑھے توسن وحشت کا قدم اور زیادہ

صید دل عاشق میں ہے مصروف وہ کافر
بے خوف ہیں اب صید حرم اور زیادہ

گر میر کرے خاک خرابات کو صوفی
سوجھیں اسے پھر لوح و قلم اور زیادہ

اے خنجر خونخوار نہ برش میں کمی کر
ہاں تجھ کو مرے سر کی قسم اور زیادہ

کیا فکر ہے جتنا کہ وہ چاہت کو گھٹا دے
اتنا ہی اسے چاہتے ہیں ہم اور زیادہ

چالیس قدم ساتھ وہ تابوت کے آئے
کیا ہو جو بڑھیں چند قدم اور زیادہ

ٹہرتی ہے ابھی نبض میں جوں موج رم برق
کیا ہوگا جو ہوگی تپ غم اور زیادہ

کہتا ہے مرا شوق جراحت کہ صد افسوس
اس تیغ دو دم میں نہیں دم اور زیادہ

کیوں میں نے کہا تجھسا خدائی میں نہیں اور
مغرور ہوا اب وہ صنم اور زیادہ

قطعہ

کہتا ہے گلے لگ کے مرے وہ دم خنجر
لے عشق کا بھر اسکے تو دم اور زیادہ

اس عاشق بیچارہ کا ہے آج برا حال
گریے سے ہے آنکھوں پہ ورم اور زیادہ

پھیلے سر بستر پہ پڑا پاؤں کہاں تک
بس پاؤں نہ پھیلا شب غم اور زیادہ

ہے باغ جہاں میں تجھے گر ہمت عالی
کر گردن تسلیم کو خم اور زیادہ

لیتے ہیں ثمر شاخ ثمر ور کو جھکا کر
جھکتے ہیں سخی وقت کرم اور زیادہ

جو کنج قناعت میں ہیں تقدیر پہ شاکر
ہے ذوق برابر انھیں کم اور زیادہ

اے ذوق وقت نالہ کے رکھ لے جگر پہ ہاتھ
ورنہ جگر کو روئیگا تو دھر کے سر پہ ہاتھ

میں ناتواں ہوں خاک کا پروانہ کہ غبار
اُٹھتا ہوں رکھ کے دوش نسیم سحر پہ ہاتھ

خط دیکے دل میں تھا کہ زبانی بھی کچھ کہے
پر اُسنے رکھ دیا دہن نامہ بر پہ ہاتھ

کھاتا ہے اس تڑپ سے غم عشق میرا دل
جیسے گرسنہ مارے ہے حلوائے تر پہ ہاتھ

جوں شمع سوختہ تو نہ جلا انگلیاں طبیب
رکھ رکھ کے نبض عاشق تفتہ جگر پہ ہاتھ

اے شمع ایک چور ہے باد نسیم صبح
مارے ہے کوئی دم میں ترے تاج زر پہ ہاتھ

چھوڑا نہ دل میں صبر نہ آرام نہ شکیب
تیری نگہ نے صاف کیا گھر کے گھر پہ ہاتھ

قاتل کبھی نہ تو نے اُٹھائے ہزار حیف
آ کر مزار کشتۂ تیغ نظر پہ ہاتھ

جو دیکھے اُسکو تھام کے دل بیٹھ جائے ذوق
جب ناز سے کھڑا ہو وہ رکھ کر کمر پہ ہاتھ

ہوش و خرد گئے نگہِ سحر فن کے ساتھ — اب جو ہے اپنی بات سو اُس پُرفتن کے ساتھ دیکھیے
ہے اُنکی سادگی بھی تو کس بانکپن کے ساتھ — سیدھی سی بات بھی ہے تو اک بانکپن کے ساتھ
روز آفتیں نئی ہیں دلِ پُر محن کے ساتھ — جب کچھ زخم تازہ ہے نہ زخم کہن کے ساتھ
یاد آگیا ترا قدِ رعنا جو باغ میں — کیا کیا لپٹ کے روئے ہیں سرو چمن کے ساتھ
وحشی کو ہمنے دیکھا اس آہو نگاہ کے — جنگل میں پھر رہا تھا ملائیں ہرن کے ساتھ
ناخن نہ دے خدا تجھے اے پنجۂ جنوں — ٹکڑے اڑا دے جسم کے تو پیرہن کے ساتھ
افسردہ دل کیواسطے کیا چاندنی کا لطف — لپٹا پڑا ہے مردہ سا گویا کفن کے ساتھ
پایا ذرا اثر نہ کہیں رات بھر کھپے — سر مارتے رہے آہ سپہر کہن کے ساتھ
اللہ ری لاغری کہ ترے ناتواں کی نعش — اڑتی پھری ہے بوئے عبیر کفن کے ساتھ
دوزخ میں بھی پڑیں تو نہ سیدھے ہوں کج سرشت — آتش میں پیچ و خم ہیں رسن کو رسن کے ساتھ
گندم ہے سینہ چاک فراقِ بہشت میں — آدم کو کیا نہ ہو گی محبت وطن کے ساتھ
اللہ ری تابِ حسن کہ اسکا دُرِ بلاق — چشمک زنی کرے ہے سہیل یمن کے ساتھ
وحشت گئی نہ بعد فنا بھی مرا غبار — باتیں کرے ہے سقفِ سپہر کہن کے ساتھ
تیرے بلاکش اژدرِ دوزخ کو کھینچ لیں — اک آتشیں کمند دلِ شعلہ زن کے ساتھ

ممکن نہیں ہے ذوقِ علائق سے چھوٹنا
جبتک کہ روح کو ہے تعلق بدن کے ساتھ

جنوں کی جیب دری پر ہیں خوب چلتے ہاتھ — سلوک سینے سے بھی کچھ تو کر لے چلتے ہاتھ
ملا جو غیر نے عطر اسکو واں تو رشک سے یاں — لکیریں مٹ گئیں ہاتھوں کی ملتے ملتے ہاتھ
نہ آیا گور پہ میری وہ بے وفا ورنہ — گلے لگانے کو تربت سے بھی نکلتے ہاتھ
جو چھیڑے برق کے شعلہ کو تیرا سوختہ جاں — تو وہ کہے کہ لگا تو نہ بے جلتے ہاتھ
فقیر وجد میں گر ہاتھ اٹھائے عالم سے — تو سہو سجھے عرش پہ وہ کوٹتے اچھلتے ہاتھ
مریض سوز محبت کی دیکھتا گر نبض — تو پھر طبیب کے بھی آبلوں سے چھلتے ہاتھ

کوئی جو کام ہو پیری میں کسطرح ہو ذوق
نہ اب ہیں پاؤں سنبھلتے نہ ہیں سنبھلتے ہاتھ

متفرقات ردیف ہائے ہوز

رقعہ چوری سے اُسے بھیجا ہے انجان کے ہاتھ
کیسی رسوائی ہو پڑ جائے جو دربان کے ہاتھ

مطلع تو جان ہے ہماری اور جان ہی ہے سب کچھ
ایمان کی کہیں گے ایمان ہی ہے سب کچھ

نگہ وہ ترک کہ جسکی نہیں جفا کی پناہ
اور اسکی آنکھ وہ کافر ہے بس خدا کی پناہ

زیادہ ہوگا توکل سے کہیں بھی روزہ
کہ اسمیں آیا تو روزی ہے اور نہیں روزہ

لے نگاہ مہر سے دل مست بچشم قہر دیکھ
گڑ ڈپے سے جو مر تو دے نہ اسکو زہر دیکھ

ردیف یائے تحتانی

ہیں ترے رشک خط رخسار سے
دل میں آئینہ کے جوہر خار سے

شرح فرط حسرت دیدار سے
جو نگہ ہے کم نہیں تلوار سے

کھائے ہے داغ آتشیں رخسار سے
کم نہیں دل مرغ آتشخوار سے

ہاتھ اُٹھاؤ عشق کے بیمار سے
کوئی بچتا بھی ہے اس آزار سے

اُنس ہے کیا دل کو تیر یار سے
ہے مشابہ زخم بھی سوفار سے

میرے طرز نالہ ہائے زار سے
ٹپکے بلبل کے لہو منقار سے

یوں نگہ نکلے ہے چشم یار سے
مست جیسے خانۂ خمار سے

فرش گل پر مجھ کو ہے جبر یار سے
کم نہیں تار رگ گل خار سے

آئینہ اُس شعلۂ رخسار سے
گرم ہے دکان آتشکار سے

بے نصیب اُسکے ہیں گر دیدار سے
سی دو آنکھوں کو نظر کے تار سے

ماریے گر سیلی وہ زلف پُر عرق
جھڑ پڑیں دندان دہان مار سے

خنجر موجِ تبسم سے ترے — گل چمن میں ہیں جگر انگار سے
واسطے قسمت تلخ کامی ہے نصیب — ہم کو اس کے لعلِ شکر بار سے
کرتا ہے دست جنوں جیب کشمکش — جی الجھتا ہے نفس کے تار سے
سُن کے میری جاں کنی کو کوہکن — جوں صدا الٹا پھرا کہسار سے
یہ بھی اس نازک بدن کو بار ہو — گر کمر باندھے نظر کے تار سے
نقطۂ خال اُس کا سوداخیز ہے — پھرتے ہیں اک پانوں ہم پرکار سے
اُٹھ چکا وہ ناتواں جو رہ گیا — دب کے تیری سایۂ دیوار سے
توبہ توبہ کہتی استغفار ہے — وقت توبہ میری استغفار سے
اپنے دامن کو بچا کر جائیو — برق میرے وادیٔ پُرخار سے
چاہیے بحرِ محبت میں ہیں — کشتی اس کی تیغ لنگردار سے
اب وہ آئے جب نگہ کو ضعف ہے — کم نہیں مژگاں کی صف دیوار سے
تیرے ہی پانوں پہ اے قاتل گرا — سر مرا اُڑ کر تری تلوار سے
اُس دہن کا نکتۂ موزوں عجب — منتخب ہے مخزنِ اسرار سے
صاف اک ابرِ شفق آلودہ ہے — زلف اس کی سرخیِ رخسار سے
خاک عاشق پر اُٹھے جائے غبار — فتنۂ محشر تری رفتار سے
ناکسوں سے کیا رکیں وارستگاں — اُلجھے کب دامن صبا کا خار سے
زلف کی پیچی سے دل ڈرتا نہیں — بھوت بھاگے ہے وگرنہ مار سے

قطعہ

دل کو آئینہ کے گر کر دے گداز — یار اپنے گرمیٔ رخسار سے
جوہر اُس سے یوں اُٹھا لیں جس طرح — حرفِ قرطاس غلط بردار سے
بے تمیز و نکو ہو نقصاں لطفِ ذوق

لیس ہیں نام طفل آدھا پیارے سے

ترے کوچے کو وہ بیمار غم دار الشفا نہ سمجھے
اجل کو جو طبیب اور مرگ کو اپنی دوا نہ سمجھے

نگہ کیا اور غمزہ کیا ہم تو دونوں کو بلا نہ سمجھے
اسے تیر قضا اس کو یہ تیر قضا نہ سمجھے

شہیدان محبت خوب آئین وفا نہ سمجھے
بہا خوں کو ترے قاتل ہیں ایسکو خوں بہا نہ سمجھے

وہی کچھ تلخ کام اس زندگانی کا مزا نہ سمجھے
کہ جو زہر آب تیغ یار کو آب بقا نہ سمجھے

ہر اک گردش میں سو انداز ناز فتنہ زا نہ سمجھے
فلک کو ہم کسی کافر کی چشم سرمہ سا نہ سمجھے

ستم کو ہم کرم نہ سمجھے جفا کو ہم وفا نہ سمجھے
اور اس پر بھی نہ سمجھے وہ تو اس بت سے خدا سمجھے

برائی میں ہماری وہ اگر اپنا بھلا نہ سمجھے
برا نہ سمجھے برا سمجھے برا سمجھے برا نہ سمجھے

تجھے اے سنگدل آرام جان مبتلا نہ سمجھے
پڑیں پتھر سمجھ پر اپنی ہم سمجھے تو کیا نہ سمجھے

وہ ہمسے خاکساروں کو جب اپنا خاک پا نہ سمجھے
ہم اپنی خاکساری اپنے حق میں کیمیا نہ سمجھے

ترے کشتے جو یوں خواب عدم سے یک بیک چونکے
مگر شور قیامت کو تری آواز پا نہ سمجھے

نسیم صبح گلشن میں اگرچہ ہو دم عیسیٰ
ترا بیمار غم تجھ بن سموم جانگزا نہ سمجھے

وہاں جو ماہوا اس بستاں سے کاران گل
چٹکنے کو صبا غنچہ کی آواز درا نہ سمجھے

نہ دی رخصت نظر کو میری جاں تب کیوں تغافل سے
اسے بھی پر کیا میرا ہی بخت نارسا سمجھے

حساب اصلا نہ پوچھے مجھ سے میرے دل کے زخموں کا
حساب دوستاں در دل اگر وہ دلربا سمجھے

اگر دل کو نکالا چیر کر پیکاں تو رہنے دو،
کہ عاشق اپنے پہلو میں اسکو دل کی جا سمجھے

کرے آہ رسا میری جو سیر عالم بالا
فلک کو بھی نہ میں اک آبلہ سا زیر پا سمجھے

ہنسے ہو زخم دل تدبیر پر جراح سے کہہ دو
انہیں ٹانکے نہ سمجھے خندۂ دنداں نما سمجھے

بجنت سے ذرا گر موم ہو اس سنگدل کا دل
دل شکستہ میرا اپنے حق میں مومیا سمجھے

عدو آیا ہے بنکر نامہ بر لکھا نصیبوں کا
کریں گے لیکے خط کیا مدعی سے مدعا سمجھے

مجھے آتا ہے رشک اس قدح آشام پر ساقی
نہ جو دع ما کدر جانے نہ جو خذ ما صفا سمجھے

نہ آیا خاک بھی رستہ سمجھ میں عمر رفتہ کا
مگر سمجھے تو داغ معصیت کو نقش پا سمجھے

خبر سنتے ہی قاصد سے ہوئے ہم بیخبر بالکل — ترے پیغام کو گویا کہ پیغام قضا سمجھے
نحوست بھی سعادت ہوگئی سودے میں زلفوں کے — گلیم تیرہ بختی سر پہ ہم ظل ہما سمجھے
کشادہ کار ہمنے پنجۂ تقدیر کو سونپا — خرد کے تیز ناخن ناخن انگشت پا سمجھے
بلا اس زلف کی مصرع میں ہے مضمون پیچیدہ — اُسی سے یہ کھلے جو معنئ ناز و ادا سمجھے
ہوا نے زلف کو چھیڑا اور اپنا دل لرزتا ہے — کہیں ایسا نہو ٹوٹے ہمسے وہ کافر ادا سمجھے

سمجھ ہی میں نہیں آتی ہے کوئی بات ذوق اسکی
کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے

کہاں ملک کہوں ساقی کہ لا شراب تو دے — نہ دے شراب ڈبو کر کوئی کباب تو دے
بجھیگا سوز دل اے گریہ پہلے آب تو دے — وگرنہ آگ ہیں دنیا وہیں عذاب تو دے
گزر نے گریہ مرے سر سے اتنا آب تو دے — کہ سر پہ چرخ بھی دکھلائے جوں حباب تو دے
کھلے ہے ناز سے گلشن میں غنچۂ نرگس — ذرا دکھائے تو چشم نیمخواب تو دے
بلا سے آپ نہ آئیں پر آدمی اُن کا — تسلی آکے مجھے وقت اضطراب تو دے
صبا بگولے نے اس اسیر زلف کی خاک — کہ بعد مرگ بھی معلوم پیچ و تاب تو دے
بلا سے کم نہو گریہ سے میرا سوز جگر — بجھا پر اُنکی ذرا آتش عتاب تو دے
شکار بستۂ فتراک کو ترے مقدور — ہوا نہ یہ بھی کہ بوسہ سر رکاب تو دے
نشے میں ہوش کسے جو گنے حساب کرے — جو تجھ کو دینے ہیں بوسے بلا حساب تو دے
جواب نامہ نہیں گر تو رکھدو نامۂ یار — جو پوچھیں قبر میں عاشق سے کچھ جواب تو دے
رکھے ہے حوصلہ دریا کب اہل ہمت کا — نہیں یہ اتنا کہ بھر کاسۂ حباب تو دے
خنک ہو تو بھی اگر مشت خاک ذوق دوزخ میں — پڑے تو واقعی اکبار آگ آب تو دے

پہونچ رہوں گا سر منزل فنا اے ذوق
مثال نقش قدم کرنے پا تراب تو دے

کب حق پرست زاہد جنت پرست ہے — حوروں پہ مر رہا ہے یہ شہوت پرست ہے

دل صاف ہو تو چاہیے معنی پرست ہو
آئینہ خاک صاف ہی صورت پرست ہی
درویش ہی وہی جو ریاضت میں چست ہو
تارک نہیں فقیر بھی راحت پرست ہو
جز زلف سوجھتا نہیں اے مرغ دل تجھے
خفاش تو نہیں ہو کہ ظلمت پرست ہی
دولت کی رکھ نہ مار سرِ گنج سے امید
موذی وہ دیگا کیا کہ جو دولت پرست ہی
عنقا نے گم کیا ہے نشاں نام کیلئے
گمگشتہ کون کہتا ہی شہرت پرست ہی
یہ ذوق مے پرست ہے یا ہے صنم پرست
کچھ ہے بلا سے لیک محبت پرست ہے

زخم دل پر کیوں مرے مرہم کا استعمال ہے
مشک گر مہنگا ہی تو کیا اُن کا بھی کال ہی
قبر میں عاشق جو تیرا مضطرب احوال ہے
لوحِ تربت پر بھی لکھا سورۂ زلزال ہی
ہنسنے جانا تھا کف پا میں تمہارے خال ہے
لیکن اب دیکھا سویدائے دل پامال ہے
ابر برسوں رو چکا پر سوز غم سے اب تلک
خاک میری ڈھیر کی اُٹھتی ہیں جیسے رال ہے
میری دودِ آہ سے یاں تک زمانہ ہی سیاہ
آفتاب آسماں زنگی کے منہ کا خال ہے
میں وہ مجنوں ہوں کہ میرا کاغذ تصویر بھی
مثل عیدی باعث خوشنودی اطفال ہے
جب سے ہی دلمیں کسیکی نوک مژگاں کا خیال
نشتر زنبور ہے تن پر مرے جو بال ہے
جوش گریہ کا مرے تم کچھ نہ پوچھو ماجرا
چادر آب رواں منہ پر مرے رومال ہے
دلمیں ہوں گر داغ سوزانِ عشق میرا ہی کوہکن
پھر تو خسرو کا بھی گنج سوختہ کیا مال ہے
کھاد نہیں ہیرا جو اُس بن کیونکہ دل ٹکڑے نہو
جو رگ یاں ہی وہ مجھ کو شیر کا سا بال ہے
ہیں جہاں مدفن تمہارے کشتگان زلف کے
نخل کی جا بید مجنوں ہی وہاں یا جال ہے
شوخ "قاتل کو مرے کیا چاہیے ہی رنگ پاں
خون اعجاز مسیحا سے لب اُسکا لال ہے
لیک ہے نوروز اپنا آفتاب بادہ سے
دور ساغر ہمکو ساقی گردش یکساں ہے
کھل گیا مضمون شکست دل کا بن خط کے پڑھے
نامہ بر کا اسقدر اپنے شکستہ حال ہے
ہو اسیران محبت کی بلا سینہ میں آگ
شعلۂ جوالہ ساں طوق گلو تک لال ہے

ہوتے ہیں اعضائے بوسیدہ تصور سے جدا
کھینچی تصویر مجنوں کی تو سر سے اشکال ہے
روز محشر سے کئی دن دیکھنے کو چاہییں
گریہی لے ذوق طول نامۂ اعمال ہے

موئے سر ماران سیہ کا اک سراسر لشکر ہے
مانگ جو ہے اک مار سپید اُس لشکر کا سر لشکر ہے
آبلہ ہائے سینہ جو چشمے سے دکھلائی دیتے ہیں
مزرعۂ دل پر میرے اک غم کا آکر لشکر ہے
ہوئے دل مظلوم ہمارا کیوں نہ شہید دشت بلا
دلبر یا اسکے شامیونکا وہ زلف معنبر لشکر ہے
موذی زحمت کش کو ایذا کیونکہ نہ دیویں جمع ضعیف
دشمن مار زخم رسیدہ مور کا اکثر لشکر ہے
کعبۂ توبہ خدا ہی رکھے آج کہ جوش ابر نہیں
اک اصحاب الفیل کا سایہ دشت ہوا پر لشکر ہے
میں وہ شاہ کشور غم ہوں یارو جسکے ساتھ سدا
جوش اشک کی دوات سے جوں موج سمندر لشکر ہے
گاہ ہجوم یاس میں ہے دل گاہ ہجوم حسرت میں
ہے یہ مرد سپاہی پیشہ پھرتا لشکر لشکر ہے
خال چشم جاناں کا مژگاں سے تجمل دیکھو تو
اُترا پشت پہ مچھلی کے کتنا یکے سکندر لشکر ہے
ہووے امام برحق پیدا ذوق اگر تو دیکھ ابھی
ہوتا گرد اسلامیوں کا جوں سبحہ گوہر لشکر ہے

میری خاکستر اُڑی تھی جس سے گردوں سب بنے
اُس میں بچا اخگر جو باقی تھے وہ کوکب بنے
دل کو رکھدوں اس دم شمشیر پر گر ڈھب بنے
تا یہ قربانی صراط عشق پر مرکب بنے
خال اے خورشید رو رُخ پر تمہارے جب بنے
تیرہ بختان محبت سوختہ کوکب بنے
عشق کو تعلیم نیاز و ناز یک جا کیونکہ ہو
گر نہ مجنوں آن کر لیلیٰ کا ہم مکتب بنے
جو نہوں عقدے کبھی جوں غنچۂ تصویر وا
وائے قسمت وہ ہمارے عقدۂ مطلب بنے
ہے سیہ کاری سے نامہ یاں تلک اپنا سیہ
روز محشر پر پڑے گر سایہ اُسکا شب بنے
سرمۂ چشم کو اک کیا بنے ہے دود آہ
ایسا کاجل بن کہ جس سے اُسکا خال لب بنے
صحبت عیسیٰ بنائے خر کو انساں کس طرح
تربیت سے واقعی نااہل دانا کب بنے
موذیوں کو حق نہ دے آنکھیں کہ تا لادیں بلا
عین حکمت تھی کہ معدوم البصر عقرب بنے

عشق ہوے ذوق وہ کافر کہ جسکے ہاتھ سے
شیخ صنعاں سا مسلماں رند بد مشرب بنے

کچھ نہیں چاہیئے تجہیز کا اسباب مجھے
عشق نے کشتہ کیا صورت سیماب مجھے

اسنے مارا رخ روشن کی دکھا تاب مجھے
چاہیے بہر کفن چادر مہتاب مجھے

کل جہاں سے کہ اٹھا لائے تھے احباب مجھے
لیچلا آج وہیں پھر دل بیتاب مجھے

چمن دہر میں جوں سبزہ شمشیر ہوں میں
آب کی جائے دیا کرتی ہے زہراب مجھے

میں وہ مجنوں ہوں کہ مجنوں بھی ہمیشہ خط میں
قبلہ و کعبہ لکھا کرتا تھا القاب مجھے

جو مرے واقف جوہر ہیں وہ رکھتے ہیں عزیز
تیرہ بختی میں بھی جوں تیغ سیہ تاب مجھے

کنج تنہائی میں دیتا ہوں دلاسے کیا کیا
دل بیتاب کو میں اور دل بیتاب مجھے

میں نہ تڑپا جو دم ذبح تو یہ باعث تھا
کہ رہا مد نظر عشق کا آداب مجھے

ورنہ وہ شوخ کہ جو گل سے بھی نازک ہو سوا
لیوے اسطرح سے زانو کے تلے داب مجھے

ہوگیا جادۂ انجم مری آنکھوں میں نمک
کیونکہ آئے شب ہجراں میں کہو خواب مجھے

غزل اول ناتمام

لیتے ہی دل جو عاشق دلسوز کا چلے
تم آگ لینے آئے تھے کیا آئے کیا چلے

اے غم مجھے تمام شب ہجر میں نہ کھا
رہنے دے کچھ کہ صبح کا بھی ناشتا چلے

بل بے غرور حسن زمیں پر تھے نہ پاؤں
مانند آفتاب وہ بے نقش پا چلے

کیا لیچلے گلی سے تری ہم کہ جوں نسیم
آئے تھے سر پہ خاک اڑانے اڑا چلے

افسوس ہے کہ سایۂ مرغ ہوا کی طرح
ہم جسکے ساتھ ساتھ چلیں وہ جدا چلے

قاتل جو تیرے دلمیں کدورت نہو تو کیوں
ٹک رک رک کے میرے حلق پہ خنجر ترا چلے

آلودہ سرمہ سے نہو کیوں چشم میں نگاہ
دیکھا جہاں سے صاف کہ اہل صفا چلے

کیا دیکھتا ہے ہاتھ مرا چھوڑ دے طبیب
یاں جان ہی بدن میں نہیں نبض کیا چلے

لیجائیں تیرے کشتہ کو جنت میں بھی اگر
پھر پھر کے تیرے گھر کی طرف دیکھتا چلے

اے ذوق ہے غضب نگہ یار الحفیظ
وہ کیا بچے کہ جسپہ یہ تیر قضا چلے

الگ تا ہو نہ کھینچ کھینچکر رہا ہے تار دامن سے
نہ دامن خار سے چھوٹے نہ چھوڑے خار دامن سے

خبر لوں جیب کی یا میں رہوں ہشیار دامن سے
جنوں الجھے ہیں ناخن جیب اور خار دامن سے

لگے ہے اس تمنا میں مرے ہر خار دامن سے
کروں ستار میں گر ہو عطا اک تار دامن سے

لگے اس شعلہ خو کے کون مجھسا زار دامن سے
او بجھ سکتا ہے کوئی برق سے بھی خار دامن سے

کہے گر دیتے دھوتے تو جدا ہے تار دامن سے
نچھوٹے خوں مرا تیرے اے خونخوار دامن سے

کیا تو نے کنارا ہمسے اور ہاتھوں سے دشمن کے
گریباں ہمکنار اگر ہوا اے یار دامن سے

ترے جو سجدہ در سے جبیں ہو خاک آلودہ
نہ پونچھیں حوریں کیا لے پری رخسار دامن سے

ہوا بے پردہ بھی ہمسے تو اُسنے یوں کیا پردہ
بنایا درمیاں اک پردہ دیوار دامن سے

وہی زیبا ہے اُسکے واسطے جو نیلی ہو جسکی
نکل سکتا ہے کوئی آستیں کا کار دامن سے

اب انکو بہشت میں ہفت دریا لوگ کہتے ہیں
گرے تھے اشک کے قطرے مرے دو چار دامن سے

پھروں کھینچے ہوئے کو سو نئیں اپنی زور وحشت سے
اگر بندہ جائے میرے دامن کہسار دامن سے

جلینگے آتش رنگ حنائی پا سے گھر کتنے
ہلا بیٹھا جو وقت گرمی رفتار دامن سے

دکھائے صدمہ زنجیر نے یہ پاؤں مجنوں کے
کہ اک صدمہ سا پہونچا ہو دم رفتار دامن سے

عزیزا اصلا نہیں سرمایہ ہمت کہ دریا نے
گرہ دیکر نہ باندھا گوہر شہوار دامن سے

مربی بھی نہیں دیتے تکلف گر کو ہیں آرائش
کہ صحرا کو سمجھتا ہے کب ستان خار دامن سے

سرایت کچھ جو جنوں کوہکن کر جائے پتھر میں
نکالے لعل سی پتھر کی جا کہسار دامن سے

فرشتے تیرے دامن کو بنائیں جا نماز اپنی
اگر دھو ڈالے تو داغ مے پندار دامن سے

مرے پاؤں کے چھالے ہوتے ہیں کیا کیا شکستہ دل
جو کوئی ٹوٹ جاتا ہے الجھ کر خار دامن سے

مرا آنسو ہے وہ زہر آب نیلا ہو بدن سارا
خدا نا خواستہ لگجائے اے غمخوار دامن سے

ترے مجنوں کو ہے وہ جامۂ عریاں تن زیبا
کہ جسکو آستیں سے ننگ ہے اور عار دامن سے

یہ تجھ بن اشکباری ہے کہ آنسو پونچھتا ہوں میں
کبھی تو آستیں سے اور کبھی اے یار دامن سے

کہاں وہ موسم طفلی کہ ہم دامن سوار ہیں
لیا کرتے تھے کار توسن رہوار دامن سے

مرا وہ گریۂ غم خندۂ عشرت سے بہتر ہو
اگر آنسو مرے پونچھے وہ گل رخسار دامن سے

میں وہ آلودہ دامن ہوں بنائیں تار سبحہ کا
فرشتہ پاکدامن لیکے میرے تار دامن سے

یہ صید ناتواں شل پر افتادہ اڑ جائے
لگائے گر نسیم دامن گلزار دامن سے

ہوا پنکھے کی خواب آور نہ ہو یہ کیا ایک جنبش میں
کرے سو فتنۂ خوابیدہ وہ بیدار دامن سے

نگاہ بوالہوس اندھی ہو تیرے خاک اڑانیکو
چھپا لے تو چراغ شعلۂ رخسار دامن سے

نہ ہوتے دل جلوں کی ذوق ہمسایوں نے دلداری
کہ کب فانوس پونچھے شمع کا رخسار دامن سے

ہوں یہ لاغر جھکے قامت ایک خس کے بوجھ سے
جوں کبادہ جھکے ہے بار مگس کے بوجھ سے

یہ اسیری میں گراں خاطر ہوں نہیں جاتا ہے ٹوٹ
آہنی قلاب بھی میرے نفس کے بوجھ سے

زندہ تو ڈوبے ہے اور تیرے ہے مردہ آب میں
بوجھ شاید جسم کا کم ہے نفس کے بوجھ سے

باندھے ناقے کی گردن میں دل نالاں قیس
بوجھ اسکا کم ہو اے لیلی جرس کے بوجھ سے

نکلے دنیا سے کہاں احمق اٹھا کر بار حرص
رہ گیا یہ تو گدھا دلدل میں پھنسکے بوجھ سے

اپنے دامن میں نہ لے میرے گل لخت جگر
جی دھڑکتا ہے کہیں جھولی نہ مسکے بوجھ سے

کیا ہوا دل نے لیا گر ایک کوہ غم اٹھا
یہ نہیں اے ذوق دبتا ایسے دس کے بوجھ سے

رخصت اے زنداں جنوں زنجیر در کھڑکائے ہے
مژدہ خار دشت پھر تلوا مرا کھجلائے ہے

سر بوقت ذبح اپنا اسکے زیر پائے ہے
یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

واہ وا شور محبت خوب ہی چھڑکا نمک
استخواں میرے ہما کس کس مزے سے کھائے ہے

ہاں دم طاقت کہے ہے ضعف سے سینے میں دم
دیکھئے کب تک خدا کیونکر تجھے پہنچائے ہے

بس کرم سوزِ دروں بہ جائینگے دل اور جگر
رحم جوش گریہ پھر چھاتی ابھی بھر آئی ہے

بل بے استغنا کہ وہ یاں آتے آتے رہ گئے
اُف ری بیتابی کہ یاں تو دم ہی نکلا جائے ہے

نزع میں بھی ذوق کو تیرا ہی بس ہے انتظار
جانب در دیکھ لے ہے جبکہ ہوش آ جائے ہے

زخمی ہوں میں اُس ناوکِ دزدیدہ نظر سے
جانیکا نہیں چور مرے زخمِ جگر سے

ہم خوب ہیں واقف ترے اندازِ کمر سے
یہ تار نکلتا ہے کوئی دل کے گُہر سے

گر ابکی پھرے جیتے وہ کعبہ کے سفر سے
تو جانو پھرے شیخ جی اللہ کے گھر سے

سرمایۂ امید ہے کیا پاس ہمارے
اک آہ بھی سینے میں سو نا امید اثر سے

وہ خلق سے پیش آتے ہیں جو فیض رساں ہیں
ہے شاخِ ثمردار میں گل پہلے ثمر سے

حاضر ہیں مرے توسنِ وحشت کے جلو میں
باندھے ہوئے کہسار بھی دامن کو کمر سے

فریادِ ستمکش ہے وہ شمشیرِ کشیدہ
جسکا نہ رکے وار فلک کی بھی سپر سے

اشکوں میں بہے جاتے ہیں ہم جانبِ دریا
مقصود رہِ کعبہ ہے دریا کے سفر سے

اُف گرمیِ وحشت کہ مری ٹھوکروں ہی کیا
پتھر ہیں پہاڑوں کے اڑے جاتے شرر سے

کچھ رحمتِ باری سے نہیں دور کہ ساقی
رو دیں جو ذرا مست تو مے ابر سے برسے

کشتہ ہوں میں کس چشمِ سیہ مست کا یارب
ٹپکے ہے جو مستی مری تربت کے شجر سے

کھلتا نہیں دل بند ہی رہتا ہے ہمیشہ
کیا جانیں کہ آ جائے ہے تو اس میں کدھر سے

نالوں کے اثر سے مرے پھوڑا سا ہے پکتا
کیوں ریم سدا نکلے نہ آہن کے جگر سے

اے ذوق کسی ہمدمِ دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقاتِ مسیحا و خضر سے

کیڑا ذرا سا اور وہ پتھر میں گھر کرے
انساں وہ کیا نہ جو دلِ دلبر میں گھر کرے

تیر اس نگہ کا گر دلِ مضطر میں گھر کرے
ناسورِ عشق زخم کے پھر گھر میں گھر کرے

پتلی سیاہ دیکھیو اُس چشمِ مست کی
بھونرا عجب ہے یوں گلِ عبہر میں گھر کرے

یوں میرے دلمیں چبھتی ہے زلف انکی لٹ کی تاب
ہیرے کی جوں کنی کوئی گوہر میں گھر کرے

بلبل کا آشیانہ ہے گلشن میں کیا عجب
اُس رخ پہ دل جو زلف معنبر میں گھر کرے

دکھلائے جوش گریہ اگر میری چشم تر
مردم کے غرق سیکڑوں پل بھر میں گھر کرے

گنبد میں گردباد کے مجنوں نے گھر کیا
سرگشتہ ایسا کون جو چکر میں گھر کرے

آنکھ اپنی اُسکے لب پہ عجب گھر بگڑ گئی
جوں عنکبوت برگ گل تر میں گھر کرے

قاتل مرے لہو کو شتابی سے دھو کہیں
جوں مورچہ نہ یہ ترے خنجر میں گھر کرے

ناتمام

آتا نہیں مہ طلعت کیا دیر لگائی ہے
کھینچ اے کشش الفت کیا دیر لگائی ہے

قاصد تو کب آتا ہے پر پیک اجل بھی
یاں آنے میں یا قسمت کیا دیر لگائی ہے

گر قتل ہی کرنا ہے قاتل کہیں جلدی ہو
لاحول ولاقوت کیا دیر لگائی ہے

یاں وعدہ بھی آ پہونچا تو اب تلک آتا ہے
اللہ رے تری غفلت کیا دیر لگائی ہے

سب بادہ گلستاں میں پیتے ہیں لہو میکش
ساقی نے دم عشرت کیا دیر لگائی ہے

دے پھونک کہیں دل کو مدت سے سلگتا ہے
اے سوز غم فرقت کیا دیر لگائی ہے

بالیں پہ کہا میرے کہ ہنگامہ محشر نے
لو اٹھو کہیں حضرت کیا دیر لگائی ہے

اُسکے لب خنجر کا لیتا ہے اگر بوسہ
تو اے دل پر حسرت کیا دیر لگائی ہے

اے ذوق شہید اسکو کرنے ہیں کئی عاشق
کرنی ہے اگر سبقت کیا دیر لگائی ہے

خوب رو کا شکایتوں سے مجھے
تو نے مارا عنایتوں سے مجھے

کہتے کیا کیا ہیں دیکھ تو اغیار
یار تیری حمایتوں سے مجھے

یہ بھی تقدیر کا لکھا کہ سکھے
خط وہ کن کن کنایتوں سے مجھے

واجب القتل اُس نے ٹھہرایا
آیتوں سے روایتوں سے مجھے

سمجھے ہے واجب الرعایت دوست
دشمنوں کی رعایتوں سے مجھے

گریہ میں تو کمی اے چشم
شوق کم ہے کفایتوں سے مجھے

لیگئی عشق کی ہدایت ذوق
اس سرے سب نہایتوں سے مجھے

الٰہی کس بیگنہ کو مارا سمجھ کے قاتل نے کشتنی ہے
کہ آج کوچے میں اسکے شور بای ذنب قتلت ہے

غم جدائی میں تیری ظالم کہوں میں کیا مجھپہ کیا بنی ہے
جگر گدازی ہے سینہ کاوی ہے دلخراشی ہے جانکنی ہے

زمیں پہ نور قمر کے گرنے سے صاف اظہار روشنی ہے
کہ ہیں جو روشن ضمیر انکا فروغ انکی فروتنی ہے

بشر جو اس تیرہ خاکداں میں پڑا یہ اسکی فروتنی ہے
وگرنہ قندیل عرش میں بھی اسیکے جلوہ کی روشنی ہے

ہوئے ہیں تر گریۂ ندامت سے اسقدر آستین و دامن
کہ میری تردامنی کو آگے عرق عرق پاکدامنی ہے

ہوئے ہیں اس بھی سادگی سے ہم آشنا جنگ و آشتی ہے
اگر نہو یہ تو پھر کسی سے نہ دوستی ہو نہ دشمنی ہے

لگا نہ اس سنگدل سے یہ دل جو ٹوٹنا ہے تو ٹوٹ کر رہ
کہ کیسا ہی کوئی خوش شمائل صنم ہو آخر شکستنی ہے

نہیں ہے قانع کو خواہش زر وہ مفلسی میں بھی ہے تونگر
جہاں میں مانند کیمیا گر ہمیشہ محتاج دل غنی ہے

کوئی ہے کافر کوئی مسلماں ہر ایک کی ہے راہ اپنی
جو اسکے نزدیک رہبری ہے وہ اسکے نزدیک رہزنی ہے

تکلف منزل محبت نکر چلا چل تو بے تکلف
کہ جا بجا خارزار وحشت سے زیر پا فرش سوزنی ہے

خدنگ مژگاں سے ذوق اسکے دل اپنا سینہ سپر ہے جب سے
مثال آئینہ سخت جانی سے سینہ دیوار آہنی ہے

آنکھ اس پر جفا سے لڑتی ہے
جان کشتی قضا سے لڑتی ہے

شعلہ بھڑکے نہ کیونکہ محفل میں
شمع تجھ بن ہوا سے لڑتی ہے

قسمت اس بت سے جا لڑی اپنی
دیکھو احمق خدا سے لڑتی ہے

نہیں مژگاں کی دو صفیں گویا
اک بلا اک بلا سے لڑتی ہے

شور قلقل ہے کیوں ہے دختر رز
کیا کسی آشنا سے لڑتی ہے

نگہ ناز اس کے عاشق سے
چھوٹ کس کس ادا سے لڑتی ہے

تیرے بیمار کے سر بالیں
موت کیا کیا شفا سے لڑتی ہے

واہ کیا کیا طبیعت اپنی بھی
عشق میں ابتدا سے لڑتی ہے

زال دنیا سے صلح کی کس دن
یہ لڑاکا سدا سے لڑتی ہے

تیری شمشیر خوں کے چھینٹوں سے
چھینٹے آب بقا سے لڑتی ہے

دیکھو اس چشم مست کی شوخی
جب کسی پارسا سے لڑتی ہے

قہر ہے الحرب خدا لے ذوق
بخت اس کی دغا سے لڑتی ہے

دل کی معاش غم اسے غم کی تلاش ہے
ڈرتا ہوں دل سے میں کہ بڑا بدمعاش ہے

اس بتکدہ میں کون ہے کافر ترے سوا
تو آپ ہی بت پرست و بت و بت تراش ہے

لبریز صد نشاط برنگ ہلال عید
سینہ میں میرے ناخن غم کی خراش ہے

ہوتے وبال دوش نہیں کشتگان عشق
اڑ جاتی ٹھوکروں ہی میں عاشق کی لاش ہے

کرتے یہ اشک و آہ ہیں تکلیف کیوں عبث
ہو جاتا راز دل تو نگاہوں میں فاش ہے

دنیا ہے پر جو سرمہ کے دانہ ہے خال کا
گویا کہ دست چشم فسونگر میں ماش ہے

کیا شاد کو خفیف کرے ہو زبان خلق
شاباش جسکو کہتے ہیں وہ شاد باش ہے

اٹھے جہاں ہی سے جو بستر سے اٹھے
تیرا مریض عشق جو صاحب فراش ہے

برندہ ایک تیغ مژہ سے بھی سوا
اس کج ادا نے اور نکالی تراش ہے

مسکن پذیر آج ہی دل میں نہیں ہے غم
روز ازل سے اسکی یہیں بود و باش ہے

اے ذوق جانتا ہے وہ ہمدرد میرا درد
دل جسکا پارہ پارہ جگر پاش پاش ہے

ہے تیرے کان زلف معنبر لگی ہوئی
رکھے گی یہ نہ بال برابر لگی ہوئی

بیٹھے بھرے ہوئے ہیں خم مے کی طرح ہم
پر کیا کریں کہ مہر ہے منہ پر لگی ہوئی

چاٹے بغیر خوں کوئی رہتی ہے تیری تیغ
ہے یہ تو اسکو چاٹ ستمگر لگی ہوئی

میت کو غسل دیجیو اس خاکسار کی
ہے تن پہ خاک کوچۂ دلبر لگی ہوئی
عیسیٰ بھی گر ہو پاس تو ممکن نہیں شفا
خورشید کو وہ تپ ہے فلک پر لگی ہوئی
نکلے ہو کب کسی سے کہ اسکی مژہ کی نوک
ہے پھانس سی کلیجے کے اندر لگی ہوئی
کرتی ہے زیر برقع فانوس تاک جھانک
پروانہ سے ہے شمع مقرر لگی ہوئی
بیٹھے ہیں دل کے بیچنے ڈالے ہزارہا
گذرے ہے اسکی راہ گذر پر لگی ہوئی
یہ چاہتا ہے شوق کہ قاصد بجائے مُہر
آنکھ اپنی ہو لفافۂ خط پر لگی ہوئی
منھ سے لگا ہوا ہے اگر جام مے تو کیا
ہے دل سے یاد ساقی کوثر لگی ہوئی

اے ذوق دیکھ دختر رز کو نہ منھ لگا
چھٹتی نہیں ہے منھ سے یہ کافر لگی ہوئی

تجھکو کچھ یاد بھی ہیں پہلے وہ الفت کے مزے
بیمزہ ہونے کے لطف اور شکایت کے مزے
بے محبت نہیں اے ذوق شکایت کے مزے
بے شکایت نہیں اے ذوق محبت کے مزے
کھائے کوچے میں ترے آ کے جو سنگ طفلاں
آئے مجنوں کو ترے میوۂ جنت کے مزے
لگتی مرچیں سی کبابوں کو ہیں کیا کیا سنکر
دل بریاں سے مرے سوز محبت کے مزے
صرف ہر زخم جگر تا نہو صد کان نمک
لوٹے کیا عشق میں اس کان ملاحت کے مزے
ملت عشق میں ہو کاش تناسخ ہی سہی
کہ اڑائیں ترے سرباز شہادت کے مزے
دیکھ کر اسکو گیا عالم حیرت میں تو میں
لیک میں کیا کہوں اس عالم حیرت کے مزے
سجدہ میں پائے خم مے پہ ہو کس لطف سے مست
یوں عبادت ہو تو زاہد ہیں عبادت کے مزے
غنچۂ خنداں ہو نہ کیوں کرکے زر اپنا برباد
کہ اڑانے ہی میں دولت کے ہیں دولت کے مزے
جان شیریں بھی گئی اور نہ ملی شیریں بھی
پوچھو فرہاد سے اس تلخی حسرت کے مزے
ابر و باراں سے نہ کیوں لطف اٹھائیں میخوار
کہ اڑاتے ہیں گنہگار ہی رحمت کے مزے
ہے نمک پاش جو ہنس ہنس کے وہ لعل نمکیں
لے رہا ہے دل مجروح جراحت کے مزے
کچھ جتاؤں جو محبت تو کہے ہے کہ سنئے
دیکھ تو کیسے چکھاتا ہوں محبت کے مزے

واللہ چاشنی عشق کا کامل ہو تو دیں　　شادی وصل کی لذّت غم فرقت کے مزے
نہیں جز بیہُشی کوئی مزہ دنیا میں　　پر مزیدار بنا دیتے ہیں غفلت کے مزے
خنجر ناز نے کیا چاٹ لگائی دل کو　　چاٹتا ہونٹ ہے لے لیکے جراحت کے مزے
بے مزاجی کو کریں لاکھ ترے ظلم و ستم　　بھولنے کے نہیں پہلی وہ عنایت کے مزے
پھر پھٹا زخم کا انکو مبارک اے ذوق
دل زخمی کو ترے بادۂ عشرت کے مزے

اول ہی سے بشر کو ہے رغبت خلاف سے　　لیتا تھا کام منہ کا شکم میں یہ ناف سے
کب وہ گذرتے ہیں سر لاف و گزاف سے　　جنکی کہ آشنا ہے زباں لام و کاف سے
چل میکدہ میں شیخ بسر کر مہ صیام　　مسجد میں تنگ بیٹھا ہے کیوں اعتکاف سے
نالوں نے دی چڑھا جو تپ لرزہ دہر کو　　کھولی نہ آنکھ ابر سیہ نے لحاف سے
پھینکے ہے ایک جنبش مژگاں میں وہ پرے　　اس اپنے ناتواں کو پری کوہ قاف سے
ہے جوہر کمال پہ ننگا اگر فقیر　　ہر تیغ تیز ننگ ہے اسکو غلاف سے
گزری ہے مشق سینہ شگافی میں عمر چرخ　　اس کلک تیز نالۂ گردوں شگاف سے
گردش ہے اسکی چشم کی کیوں میرے دل کے گرد　　کافر کو کام کعبہ کے ہے کیا طواف سے
لڑتے ہیں گہ نصیب سے گاہے فلک سے ہم　　فرقت کی رات کم نہیں روز مصاف سے
لکھتا ہے شیخ مسئلۂ وحدت وجود　　لیکن دوئی عیاں ہے قلم کے شگاف سے
گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

کیا غرض لاکھ خدائی میں ہوں دولت والے　　انکا بندہ ہوں جو بندے ہیں محبت والے
چاہیں گر چارہ جراحت کا محبت والے　　بیچیں الماس و نمک سنگ جراحت والے
گئے جنت میں اگر سوز محبت والے　　تو یہ جانو رہے دوزخ ہی میں جنت والے
ساقیا ہوں جو صبوحی کے نہ عادت والے　　صبح محشر کو بھی اٹھیں نہ ترے متوالے

سے ہے جوں شیشۂ ساعت و مکدر دونوں
کبھی مل بھی گئے دو دل جو کدورت والے

کس مرض کی ہیں دوا لب جاں بخش ترے
جاں بلب ہیں ترے آزار محبت والے

حرص کے پھیلتے ہیں پاؤں بقدر وسعت
تنگ ہی رہتے ہیں دنیا میں فراغت والے

ہائے رے حسرت دیدار مری ہائے کو بھی
تکتے ہیں ہائے وہ حیثمی سے کتابت والے

نہیں جز شمع مجاور مری بالین مزار
نہیں جز کثرت پروانہ زیارت والے

نہ ستم کا کبھی شکوہ نہ کرم کی خواہش
دیکھ تو ہم بھی ہیں کیا صبر و قناعت والے

کیا تماشا ہے کہ مثل مہ نو اپنا فروغ
جانتے اپنی حقارت کو ہیں شہرت والے

دل سے کچھ کہتا ہوں میں مجھ سے ہے کچھ دل کہتا
دونوں اک حال میں ہیں رنج و مصیبت والے

تو جو آجائے تو لے درد محبت کی دوا
میرے ہمدرد ہوں بیدرد و نصیحت والے

چھوڑ دیتے ہیں قلم جوں قلم آتشبار
میرے شرح تپش دل کی کتابت والے

کبھی افسوس ہے آتا کبھی رونا آتا
دل بیمار کے ہیں دو ہی عیادت والے

تو مرے حال سے غافل ہے برائے غفلت کیش
تیرے انداز تغافل نہیں غفلت والے

ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق
اس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے

کیا غمزہ ترا سر بسر بیداد غضب ہے
جلاد فلک سے بھی یہ جلاد غضب ہے

جو ہے ستم و کینہ و بیداد غضب ہے
سر تا بقدم وہ ستم ایجاد غضب ہے

ناز آفت و چشم ستم ایجاد غضب ہے
شاگرد بھی ہے قہر جو استاد غضب ہے

بلبل یہ ترے واسطے فریاد غضب ہے
فریاد نہ کر دیکھ یہ صیاد غضب ہے

کیوں غنچہ پریشاں ہو نہ ہونے ہی شگفتہ
اس باغ میں ہونا ہی دل شاد غضب ہے

نکلے ہے صدا کوہ سے ہم آتش دم آب
کیا سوز و گداز دل فرہاد غضب ہے

خاکستر پروانہ یہ روتی ہے بجا شمع
ہو خاک جگر سوختہ برباد غضب ہے

ہم چاہتے ہیں تم کو گرے سب کی نظر سے
پہلے ہی سے اس چاہ کی افتاد غضب ہے

اُس بُت کا سمجھ حُسن خدا داد نہ اُسکو
یہ تجھیہ خدا کا دل ناشاد غضب ہے

ہوتا ہے سینہ ایک ہی آواز میں آخر
کیا سوختہ جانوں کی بھی فریاد غضب ہے

توڑا کر شاخ کو کثرت نے ثمر کی
دنیا میں گرانباری اولاد غضب ہے

اے شوخ تری چشم غضبناک کے ہوتے
ہم چاہیں قضا سے اگر امداد غضب ہے

اللہ کرے خیر مرے شیشۂ دل کی
پھر آج وہ مستِ مئ بیداد غضب ہے

بھولا نہ مجھے قتل گہِ عام میں قاتل
اللہ رے ترا حافظہ کیا یاد غضب ہے

اخوان شیاطین ہیں یہ مستِ مئ پندار
کیا حضرت آدم کی بھی اولاد غضب ہے

مرتے نہیں حوروں پہ تری طرح سے واعظ
ہم جیسے ہیں عاشق وہ پریزاد غضب ہے

انجم سے رخ چرخ پہ بوندیں ہیں عرق کی
عاشق کی ترے گرمئ فریاد غضب ہے

ہے سرو تو پابند غم بے ثمری میں
کہتے ہیں گرفتار کو آزاد غضب ہے

غصہ ہے ترا قہر ترا اٹھنا قیامت
رنجش تری بیداد ہے بیداد غضب ہے

ہے غم سے ہنوز آئینہ با دیدۂ پُرآب
اسکندر رومی کی بھی روداد غضب ہے

وہ کون سا غم ہے کہ جو دنیا میں نہیں ہے
اور اس پہ بھی دلکش یہ غم آباد غضب ہے

قامت ہے ترا کیا ہی سرو قیامت
طرّہ بھی سرِ طرّۂ شمشاد غضب ہے

دیں ہوش بھلا مردم ہشیار کے پل میں
آنکھوں کو تمہاری یہ فسوں یاد غضب ہے

سو فتنہ ہیں پنہاں نظر لطف میں اسکی
یہ لطف نہیں اے دل ناشاد غضب ہے

یہ خانۂ ہستی ہے عجب خانۂ رنگیں
اے ذوق مگر سستی بنیاد غضب ہے

ہوئے وہ کب قائل قیامت جو تیرا قامت نہ دیکھ لینگے
رہیں گے رویت سے بلکہ منکر جو تیری صورت نہ دیکھ لینگے

ہمیں غرض کیا کہ جائینگے ہم حرم کو اے شیخ بتکدہ سے
یہیں بتوں میں خدا کا اپنے ظہور قدرت نہ دیکھ لینگے

نہ دیکھی کیسی کیسی آفت جہاں میں ہمنے تمہارے باعث
اور آگے کیا کیا غم و الم ہم تمہاری دولت نہ دیکھ لینگے

دکھانا احوال ان کو اپنا یہ انکی الفت کا امتحاں ہے
کہ ہوگی الفت تو دیکھ لینگے نہوگی الفت نہ دیکھ لینگے

بلا سے گردانیاں کا سا نہیں ہے پاس اپنے فالنامہ
ہم اپنے لفظوں سے داغ دل ہی کی فال دولت نہ دیکھ لینگے

ہلال کو دیکھیں کیوں فلک پر اگر ہے منظور عید ہم کو
تو اس کی تیغ ستم کا دل میں لب جراحت نہ دیکھ لینگے

بہار باراں کو کون دیکھے بغیر یاراں ہے تیر باراں
ہم اسکے بدلے سرشک مژگاں کی اپنی شدت نہ دیکھ لینگے

اگرچہ میں مر بھی جاؤنگا تو کہیں گے جیتا ہے دم چرایا
وہ جبتلک اپنے آستانے پہ میری تربت نہ دیکھ لینگے

مجھے یقین ہے نہیں دکھائینگے اپنے رخسار لالہ گوں کو
رواں مری چشم تر سے جبتک وہ خون حسرت نہ دیکھ لینگے

یہ لوگ نا واقف محبت نہونگے واقف تپ دروں سے
کہ جبتلک مثل برق رگ رگ میں میری سرعت نہ دیکھ لینگے

خط اسکو دے بھی دیا جو قاصد نے ذوق دیکر کسیکا دھوکا
وہ خط نہ پہچان لینگے میرا مری عبارت نہ دیکھ لینگے

کیا مدنظر تمکو ہے یاروں سے تو کہئے — گر منہ سے نہیں کہتے اشارت سے تو کہئے
حال دل بیتاب کہا جائے جو ہمسے — گر کہئے نہ لاکھوں سے ہزاروں سے تو کہئے
کیا کہتے ہو آئینگے سر خاک شہیداں — کچھ فتنے اٹھانے ہوں مزاروں سے تو کہئے
پھر تم نہ کہیں حضرت عیسی اگر آئے — کہئے یہی تم عشق کے ماروں سے تو کہئے

کچھ سوز دل اپنا کسی دلسوز کے آگے — فرصت ہو تپ غم کے حراروں سے تو کہیے
موقوف ہے گر دل کا شکار آن و ادا پر — تو پہلے کچھ ان میر شکاروں سے تو کہیے
ان دانتوں کو کیا موتیوں سے کہتے ہو جناب — موتی نہیں کچھ مال ستاروں سے تو کہیے
شانے کا دل چاک پسند آپ کو آیا — کس واسطے یہ سینہ فگاروں سے تو کہیے

کہیے نہ تنک ظرف سے لے ذوق کبھی راز
کہہ کر اسے سننا ہو ہزاروں سے تو کہیے

یہ اقامت ہمیں پیغام سفر دیتی ہے — زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے
زال دنیا ہے عجب طرح کی علامۂ دہر — ہر دیندار کو بھی دہریہ کر دیتی ہے
تیرہ بختی مری کرتی ہے پریشاں مجھ کو — تہمت اس زلف سیہ فام پہ دھر دیتی ہے
بڑھتی جاتی ہے جو مشق ستم اس ظالم کی — کچھ محبت مری اصلاح مگر دیتی ہے
دیتی شربت ہے کسے زہر بھری آنکھ تری — نہیں احسان ہے دو زہر بھی کر دیتی ہے
دمبدم زخم پہ اک زخم ہے دم لینے کی — مجھ کو فرصت تری کب تیغ نظر دیتی ہے
تپ دل شمع کی جب کم نہیں ہوتی ناچار — اسکو کافور سپیدی سحر دیتی ہے

کوئی غماز نہیں میری طرف سے اے ذوق
کان اسکے مری فریاد ہی بھر دیتی ہے

مرے جو موت کے عاشق بیان کیونکر کرتے — مسیح خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے
غرض تھی کیا ترے تیروں کو آب پیکاں سے — مگر زیارت دل کیونکر بے وضو کرتے
اگر یہ جانتے چن چن کے ہمکو توڑیں گے — تو گل کبھی نہ تمنائے رنگ و بو کرتے
یقیں ہے صبح قیامت کو بھی صبوحی کش — اٹھینگے خواب سے ساقی سبو سبو کرتے
سمجھ یہ دار و رسن تار سوزن اے منصور — کہ چاک پردہ حقیقت کا ہیں رفو کرتے
عجب تھا کہ زمانے کے انقلاب سے ہم — تیمم آب سے اور خاک سے وضو کرتے

سراغ عمر گذشتہ کا ڈھونڈتے گر ذوق

تمام عمر گذر جائے جستجو کرتے

ناساز ہے جو ہم سے اسی سے یہ ساز ہے
کیا خوب دل ہے واہ ہمیں جس پہ ناز ہے
اس سنگ آستاں پہ جبین نیاز ہے
وہ اپنی جانماز ہے اور یہ نماز ہے
دروازہ میکدہ کا نہ کر بند محتسب
ظالم خدا سے ڈر کہ در توبہ باز ہے
خانہ خرابیاں دل بیمار غم کی دیکھ
وہ ہی دوا خراب ہے جو خانہ ساز ہے
ڈرتا ہوں خنجر اسکا نہ بہ جائے ہو کے آب
میرے گلے میں نالۂ آہن گداز ہے
پہونچا ہو شب کمند لگا کر وہاں رقیب
سمجھے ہے حرامزادے کی رسی دراز ہے
اس بت پہ گر خدا بھی ہو عاشق تو آئے رشک
ہر چند جانتا ہوں کہ وہ پاکباز ہے
مداح خال روئے بتاں ہوں مجھے خدا
بخشے تو کیا عجب کہ وہ نکتہ نواز ہے
اے ذوق نیاسے کھلے کیوں نہ راز عشق
ہر نالہ اک کلید در گنج راز ہے

ساقیا عید ہے لا بادے سے مینا بھر کے
کہ مے آشام پیاسے ہیں مہینا بھر کے
آشناؤں سے اگر ایسے ہی بیزار ہو تم
تو ڈبو دو انہیں دریا میں سفینا بھر کے
نہیں پروین کہ یہ ہیں شتر پروین میں ملک
لائے اس عارض روشن کا پسینا بھر کے
روز اس گلشن رخسار سے لیجاتے ہیں گل
اپنے دامان نگہ مردم مینا بھر کے
خم پر جوش کے مانند چھلکتا ہے مدام
خون حسرت سے لبوں تک مرا سینا بھر کے
جام خالی بھی لگا منہ سے نہ کم ظرف کے ساتھ
ذوق کے ساتھ قدح ذوق سے پینا بھر کے

نہیں مژگان پر خوں خار غم تھے دلنشیں نکلے
جنوں یہ نیشتر کیسے کہیں ڈوبے کہیں نکلے
عدو نے نعش زن کے گھر سے میرا مہ جبیں نکلے
الٰہی برج عقرب سے قمر جلدی کہیں نکلے
چھٹے کیا ہے شوق حسن گندم گوں کہ گندم پر
ہمارے جد امجد چھوڑ کر خلد بریں نکلے
ترے انداز سے سو سو طرح کے ناز ہوں پیدا
ترے ہر ناز پر سو سو کا دم اے نازنیں نکلے

پرے جا کر نئی دنیا سے بھی گر ڈھونڈ ھو دنیا میں
تو خالی خاک آدم سے نہ جا بھر زمیں نکلے

خدا دے دور بینش اور اس چشم تصور کو
کہ لاکھوں کام اس سے دور سے تا دوربیں نکلے

تصور اس لب شیریں کا آجائے اگر دل میں
تو آنسو ہو کے شربت خون ہو کر انگبیں نکلے

رہے دل میں جو حسرت نکالو نہیں کہاں اسکو
نہ وہ زیر فلک نکلے نہ دہ از بر زمیں نکلے

سنا کرتے تھے شہرہ ذوق جنکی پارسائی کا
وہ سب یار خرابات اپنے نکلے ہمنشیں نکلے

ہم تمنا عدو اپنا کسی کو نہیں پاتے
تم پاتے ہو ہمکو تو کسی کو نہیں پاتے

غنچہ ترے غنچہ دہنی کو نہیں پاتے
ہنستے ہیں مگر تیری ہنسی کو نہیں پاتے

کیوں ہم نے دیا دل نہ کہ اوسنگدل اپنا
کمبخت ہم اس سخت گھڑی کو نہیں پاتے

وہ کونسا غم ہے جسے پاتے نہیں دل میں
لیکن نہیں پاتے تو خوشی کو نہیں پاتے

لیتے ہیں شب وصل میں ہم انکے جو بوسے
وہ لب پہ سحر رنگ مسی کو نہیں پاتے

میں ایسا کہیں گم ہوں کہ یاران عدم بھی
گم ہو کے مری گم شدگی کو نہیں پاتے

معلوم نہیں اسکے دہن ہے کہ نہیں ہے
اے ذوق ہم اس سر خفی کو نہیں پاتے

نبض کچھ ہی کہاں میری فلاطوں چلتی
ہے یہ ضعف اب تو کہ چیونٹی بھی نہیں یوں چلتی

پھر بجے کیونکر جرس ناقۂ لیلیٰ کی صدا
آج آندھی تری قسمت سے ہی مجنوں چلتی

کھولدے آنکھیں دم ذبح نہ دیکھوں گا تجھے
پر چھری اپنی تو گردن پہ میں دیکھوں چلتی

جب میں دنیا سے چلا سر پہ یہ بولی حسرت
تو اکیلا نہیں ہمراہ ترے میں ہوں چلتی

دور کر بالوں کو سر سے کہے ہے لیلیٰ
پر نہیں کان پہ مجنوں کے ذرا جوں چلتی

میں تو ان آنکھوں کی گردش کا بلا گرداں ہوں
کہ نہیں تیری بھی داں گردش گردوں چلتی

عمر طے کرتی ہے ہر دم سفر بحر فنا
جسکو تو سانس کہے ہے دل محزوں چلتی

چلتی کو دیکھے ہے ساحل کو سوار کشتی
پر حقیقت میں ہے کشتی سر جیحوں چلتی

ذوقِ گل اور کوئی تازہ کھلا چاہتا ہے
کہ ہوا باغِ جہاں میں ہے دگرگوں چلتی

مرے یہ دل کے لئے تھے نہ تھے زباں کیلئے — سو ہم نے دل میں مرے سوزشِ نہاں کے لئے
نہیں ثبات بلندیِ عزّ و شاں کے لئے — کہ ساتھ اوج کے پستی ہے آسماں کے لئے
ہزار لطف ہیں جو ہر ستم میں جاں کے لئے — ستم شریک ہوا کون آسماں کے لئے
فروغِ عشق سے ہے روشنی جہاں کے لئے — یہی چراغ ہے اس تیرہ خاکداں کے لئے
صبا جو آئی خس و خارِ گلستاں کے لئے — قفس میں کیونکہ نہ پھڑکے دل آشیاں کے لئے
سدا تپش میں تپش ہے دلِ تپاں کے لئے — ہمیشہ غم یہ ہے غم جانِ ناتواں کے لئے
حجر کے چومنے ہی پر ہے حجِ کعبہ اگر — تو ہم نے بھی اس سنگِ آستاں کے لئے
نہ چھوڑ تو کسی عالم میں راستی کہ یہ شے — عصا ہے پیر کو اور سیف ہے جواں کے لئے
جو پاس مہر و محبت کہیں یہاں بکتا — تو ہم بھی لیتے کسی اپنے مہرباں کے لئے
خلش سے عشق کی ہے چار پیرہن تن زار — ہمیشہ اس ترے مجنونِ ناتواں کے لئے
تپش سے عشق کی یہ حال ہے مرا گویا — بجائے مغز ہے سیماب استخواں کے لئے
مرے مزار پہ کس طرح سے نہ برسے نور — کہ جان دی ترے رخِ عرق فشاں کے لئے
الٰہی کان میں کیا اس صنم نے پھونک دیا — کہ ہاتھ رکھتے ہیں کانوں پہ سب اذاں کے لئے
نہیں ہے خانہ بدوشوں کو حاجتِ ساماں — اثاثہ چاہئے کیا خانۂ کماں کے لئے
نہ دل رہا نہ جگر دونوں جلکے خاک ہوئے — رہا ہے سینہ میں کیا چشمِ خوں فشاں کے لئے
نہ لوحِ گور پہ مستوں کے ہو نہ ہو تعویذ — جو ہو تو خشتِ خمِ مے کوئی نشاں کے لئے
اگر امید نہ ہمسایہ ہو تو خانۂ یاس — بہشت ہے ہمیں آرام جاوداں کے لئے
وہ مول لیتے ہیں جس دم کوئی نئی تلوار — لگاتے پہلے بھی ہیں امتحاں کے لئے
صریح چشمِ سخن گو تری کہے نہ کہے — جواب صاف ہے پر طاقتِ دہاں کے لئے
مثال نے ہے مرا جب تلک کہ دم میں دم — فغاں ہے میرے لئے اور میں فغاں کے لئے

بلند ہووے اگر کوئی میرا شعلۂ آہ — تو ایک اور ہو خورشید آسماں کیلئے
جلے ہیں دیر کو مدت میں خانقاہ سے ہم — شکست توبہ لئے ارمغاں مغاں کیلئے
وبال دوش ہے اس ناتواں کو سر لیکن — لگا رکھا ہے ترے خنجر و سناں کیلئے
بیان درد محبت جو ہو تو کیونکر ہو — زبان دل کے لئے ہو نہ دل زباں کیلئے
رہے ہے ہول کہ برہم نہ ہو مزاج کہیں — بجا ہی ہول دل ان کے مزاج داں کیلئے
بنایا آدمی کو ذوق ایک جزو ضعیف
اور اس ضعیف سے کل کام دو جہاں کیلئے

جو دل قمار خانہ میں بُت سے لگا چکے — وہ کعبتین چھوڑ کے کعبے کو جا چکے
کیا خط میں مدعا لکھوں اپنا کہ مدعی — پہلے ہی انکو میری طرف سے پڑھا چکے
آنا بلا سے اسکا قیامت سے کم نہیں — مرتے ہیں انتظار میں اک روز آ چکے
زہر اب بھی ہو بادہ تو کر لینگے نوش جاں — ساقی پیالہ منہ سے ہم اب لگا چکے
اچھا کیا وفا کے عوض تو نے کی جفا — بس اب ستم نکر کہ کیا اپنا پا چکے
یاد آیا یا نکے آنیکا وعدہ انہیں تو کب — جب رات کو وہ پانو میں مہندی لگا چکے
جبتک کہ سر ہے ساتھ ہی یہ سر کے ہو سودا — ہم اپنے سر پہ بار محبت اٹھا چکے
کیا دیکھتا ہے تیغ نگہ ایسی اک لگا — قصہ تمام عمر کا اسکے پہ بیٹھنا اٹھ چکے
اب خاک کے ہیں ڈھیر تو کیا اس خرابہ میں — پہلے تو ہم بھی خاک بہت سی اڑا چکے
باز آیا دیکھنے سے نہ آتش پرست کے دل — سو بار آبلے اسے آنکھیں دکھا چکے
حاجت نہیں ہے تیرے شہیدوں کو غسل کی — قاتل وہ تیرے ہاتھ سے خوں میں نہا چکے
تم بھولکر بھی یاد نہیں کرتے ہے غضب — ہم تو تمھاری یاد میں سب کچھ بھلا چکے
کیا مجھسے قیمت دل و جاں پوچھتا ہے تو — دونوں ہیں اک نگاہ پہ اے دلربا بک چکے
ہنگامہ آج خوب چلو میکدہ کو ذوق
چھوڑو کہیں وظیفہ بہت بڑبڑا چکے

ابر تر آنسو بہانا کوئی ہم سے سیکھ جائے
برق مضطر تلملانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

تیر پیکاں جتنے تھے دلمیں دئے ہمنے نکال
اپنے ہاتھوں گھر لٹانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

دیکھ کر قاتل کو بھر لائے خراش دلمیں خون
سچ تو یوں ہے مسکرانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

خط میں لکھوا کر انھیں بھیجا تو مطلع درد کا
درد دل اپنا جتانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

تیغ تو اچھی پڑی تھی گر پڑے ہم آپ سے
دلکو قاتل کے بڑھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

جب کہا مرتا ہوں وہ بولے مرا سر کاٹ کر
جھوٹ کو سچ کر دکھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

واں ہلے ابرو یہاں گردن پہ پھیری ہمنے تیغ
بات کا اپنا بھی پانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

سنکے آمد انکی از خود رفتہ ہو جاتے ہیں ہم
پیشوا لینے کو جانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

ہمنے پہلے ہی کہا تھا تو کریگا ہمکو قتل
تیور ونکا تاڑ جانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

جو سکھایا اپنی قسمت نے وگرنہ اسکو غیر
کیا سکھائیگا سکھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

کیا ہوا اے ذوق ہیں جوں مردمک ہم رو سیاہ
لیکن آنکھوں میں سمانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

کرے ہے کام تیغ یار کس کس آبداری سے
دکھاتی اپنی گلکاری ہے کیا کیا زخم کاری سے

گذرتی ہے مزہ میں زندگی غفلت شعاری سے
مرے نزدیک بیہوشی ہے بہتر ہوشیاری سے

زباں کھولیں گے مجھ پر بد زباں کیا بد شعاری سے
کہ میں نے خاک بھر دی انکے منہ میں خاکساری سے

نہوتا گرد شوخ خود نما سرگرم آرائش
اٹھاتا ہاتھ خورشید فلک آئینہ داری سے

خبر کیا پوچھتے ہو اپنے بیمار محبت کی
کہ نوبت دم شماری کی تھی شب اختر شماری سے

جو پوچھے زاہد خشک اپنے وارد میں کہوں مے پی
اگر پرہیز کی پوچھے کہوں پرہیزگاری سے

کبھی جو سر اٹھایا ہے تو جوں نشتر سر مژگاں
زمیں کو جائیگا سر جھک کے اپنا شرمساری سے

قفس کو لے اڑیں اسیر اسیر مضطرب تیرے
خبر گل کی سنی ہو اڑ لی سی گر باد بہاری سے

نہیں جاتے اٹھائے ناز کاشانوں کی عوض ہو
مری [illegible] سنگدل دو چار بھاری سے

لگی بھی گر زمیں سے پیٹھ تیری تفتہ جانوں کی
تو مشکل [illegible] اٹھ بھاگینگے پھر وہ بیقراری سے

نہیں آتا نہ آئے رحم اے ذوق اس ستمگر کو
بلا سے خورش تو بہتا ہے وہ میری آہ و زاری سے

نا تمام

زباں پیدا کروں حیراں سیا سینہ میں یکاں سے
ذہن کا ذکر کیا یاں سر ہی غائب ہے گریباں سے

اُڑا کے خوب گلچھرے نکل مجنوں نے زنداں سے
کہ ہر سو گلفشانی ہے شرار سنگ طفلاں سے

فلک کیا فتنہ سازی میں ہو ہمسر چشم فتاں سے
گرا تھا یہ بھی تنکا سرمہ آلودہ اسکی مژگاں سے

شرارے متصل نکلے یہاں تک سنگ طفلاں سے
کہ چمکے ہے سر مجنوں پہ بجلی سنگ باراں سے

یہاں تک ناتواں ہیں ہم گذر جائیں اگر جاں سے
اُٹھائے مو سے لاشے کو ہمارے دست مژگاں سے

اسی باعث سے دایہ طفل کو افیون دیتی ہے
کہ تا ہو جائے لذت آشنا تلخی دوراں سے

نا تمام

جو خانۂ ہستی میں ہر انساں کے لئے ہے
آراستہ یہ گھر اسی مہماں کے لئے ہے

زلفیں تری کافر انھیں دل سے مرے کیا کام
دل کعبہ ہے اور کعبہ مسلماں کے لئے ہے

کیونکر نہ سخن سے ہوں گرفتار تفکر
ہاں قید قفس مرغ خوش الحاں کے لئے ہے

ہے بادہ کشوں کے لئے اک غیب سے تائید
زاہد جو دعا مانگتا باراں کے لئے ہے

اپنوں سے نرالے ہیں سب اپنوں کے دشمن
ہر نے میں بھری آگ نیستاں کے لئے ہے

دیگر

جبیں تو نے افشاں جو اے مہ جبیں ہے
ستاروں میں کیا کیا چناں اور چنیں ہے

نہ پوچھو کہ دل شاد ہے یا حزیں ہے
نہیں یہ بھی معلوم ہے یا نہیں ہے

یہی گر تری چشم سحر آفریں ہے
تو نہ دل نہ جاں ہے نہ ایماں نہ دیں ہے

نہ چھوڑے گی جیتا مجھے چشم قاتل
یقیں ہے یقیں بلکہ عین الیقیں ہے

کئے ضبط اشک آہ پہونچی فلک پر
مرا عشق کم خرج بالا نشیں ہے

پڑے تفرقے یہ جدائی سے تیری
کہیں ہوں کہیں دل کہیں جاں کہیں ہے

ہنسی ہے جو کچھ رنجش آمیز انکی
تو موج تبسم بھی چیں بر جبیں ہے

وہی پاس ہے اور مری بدگمانی   لیے پھرتی مجکو کہیں سے کہیں ہے
نہ اک آہ کی زخم سو سو اُٹھائے
تجھے آفریں ذوق صد آفریں ہے

پیشوائی کو بڑھے گر کشش دل آگے   دوڑے مجنوں کی طرف ناقۂ محمل آگے
جاتے اسطرح سے اس کوچے میں ہیں دل درہم   دل سے ہم آگے کبھی ہم سے کبھی دل آگے
گرچہ ہوں وادیٔ عنقا سے پڑے لاکھوں کوس   لیک ہو گم شدگی کی ابھی منزل آگے
تجھسا ناقص بھی غنیمت ہے اب اسوقت میں ذوق
کاملیت ہے کہاں ہو چکے کامل آگے

تو آنکھ میں نہ سرمۂ دنبالہ دار دے   مفتون چشم کو یونہیں اک وار مار دے
چھلّا نہیں تو چھلے کا گل اے نگار دے   کچھ تو نشانی اپنی مجھے یادگار دے
دشنام ہو سکے وہ ترش ابرو ہزار دے   یاں وہ نشے نہیں جنہیں ترشی اُتار دے
کیا خاک تجھپہ جان کوئی جاں نثار دے   مٹی تلک نہ جب ترے دل کا غبار دے
جولاں سمند ناز کو اے شہسوار دے   تو سرمہ چشم راہ میں میرا غبار دے
ایسا نہو کہ آتے ہی آتے جواب خط   قاصد جواب زندگی مستعار دے
کرتا ہے یوں فغاں دل امیدوار وصل   جیسے اذاں بلند کوئی روزہ دار دے
اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات   ہنسکر گذار یا اسے رو کر گزار دے
لے دام داغ دلسے مرے سوزش آفتاب   وعدے پہ روز حشر کے پر کون ادھار دے
بے فیض گر ہے چشمۂ آب بقا تو کیا   مانگو تو ایک قطرہ نہ آئینہ دار دے
عاشق نہ بدلے انجم گردوں سے اپنے اشک   کیوں کوڑیوں کے بدلے دُر شاہوار دے
پیشے سے سیکھے شیوۂ مردانگی کوئی   جب قصد خوں کو آئے تو پہلے پکار دے
اس جبر پر تو ذوق بشر کا یہ حال ہے
کیا جانے کیا کرے جو خدا اختیار دے

پوچھ مت راہِ وفا اُس نگہ پُرفن سے — رہنمائی کی نرکھ چشم دلا رہزن سے
ہیں گرانبار محبت مرا خوں بھی ہیو گراں — جی دھڑکتا ہے تری نازکی گردن سے
ہوگیا کاغذ سوسن زدہ سینہ سارا — دل کی جو بھانس تھی نکلی نہ سیہ سوزن سے
گر نہ چھلکے تیغ تری سر ابھی حاضر ہے کہ ہم — اسیر مرتے ہیں کہ تعظیم تو لی دشمن سے

چھوڑ کر گھر ترے ہاتھوں سے نکلجائیں کہاں
تنگ ہمسایوں کو اے ذوق نکرشیون سے

ناتمام فلک تو ٹیڑھا ہو کے صبح سے تا شام چلتا ہو — مگر سیدھی نظر سے تیری اپنا کام چلتا ہے
ہمیشہ دورِ عشرت ہے جو تم ہو اہل کیفیت — کہ مہر و ماہ سے ذرات یاں اک جام چلتا ہے
چلا پہلو سے اُٹھکر جبکہ وہ آرام جانِ دل — کہا آرام نے مجھ سے کہ لو آرام چلتا ہے
ارادہ گر کرے ناقص علو جاہ کا ملکا — تو یہ جانو کہ نابینا کنار بام چلتا ہے

ناتمام کون وقت اے وائے گذرا جی کو گھبراتے ہوئے — موت آتی ہے اجل کو یاں تلک آتے ہوئے
آتش خورشید سے دیکھا نہیں اُٹھتے دھواں — آ کھڑے ہو بام پر تم بال سکھلاتے ہوئے
وہ نہ جاگے رات ہمکو ضد سے بخت خفتہ کی — بجگیا آخر گجر زنجیر کھڑکاتے ہوئے
چاک آتا ہے نظر پیراہن صبح بہار — کس شہید ناز کو دیکھا ہے کفناتے ہوئے

ناتمام سبکو دنیا کی ہوس خوار لئے پھرتی ہے — کون پھرتا ہے یہ مردار لئے پھرتی ہے
گھر سے اپنے نہ نکلتا کبھی باہر خورشید — ہوس گرمی بازار لئے پھرتی ہے
کر دیا کیا ترے ابرو نے اشارہ ظالم — کہ قضا ہاتھ میں تلوار لئے پھرتی ہے
جاکے اکبار نہ پھرنا تھا جہاں واں مجھکو — بیقراری ہے کہ سو بار لئے پھرتی ہے
وہ مرے طالع اختر کی ہے داغِ دل گردش — کہ فلک کو بھی نگونسار لئے پھرتی ہے

ناتمام لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے — اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے
ہمسا بھی اس بساط پہ کم ہوگا بد قمار — جو چال ہم چلے وہ بہت ہی بری چلے
بہتر تو ہے یہی کہ نہ دنیا سے دل لگے — پر کیا کریں جو کام نہ بے دل لگی چلے

ہو عمرِ خضر بھی تو ہو معلوم وقتِ مرگ — ہم کیا رہے یہاں ابھی آئے ابھی چلے
مہ میں کہاں جو تابِ رخِ سیم تن میں ہے — پردہ سا عنکبوت کا سقفِ کہن میں ہے — ناتمام
دم کو ہمارے سینہ میں اک دم نہیں قرار — یہ وہ غریب ہے کہ مسافر وطن میں ہے
حرف آئے گر مجھ پہ نہ دیکھئے کس کس کے نام سے — اس رنگ سے عقیق کا دل خوں یمن میں ہے
رنگیں سوا ہے اسکے گلِ نو بہار سے — اگلا جو برگِ زرد کوئی اس چمن میں ہے
وہ دل کہ جو نہ لا سکے چینِ جبیں کی تاب — زیرِ شکنجہ زلفِ شکن در شکن میں ہے
ہنگامِ بوسہ گرم جو وہ اک ذری ہوئے — شکر سے تھے لب پسینے سے شکرتری ہوئے — ناتمام
جلجائے خاک دشتی چشمِ تپاں پہ گھاس — لیکن ہرن کھڑے نہ رہے بن ہرے ہوئے
دکھلائے ہمنے لیکے جو اپنے دُرِ سرشک — قائل ہماری آنکھ کے سب جوہری ہوئے
کچھ ہوتی آدمیت اگر ہوتے آدمی — یہ خوبرو تو حور ہوئے یا پری ہوئے
ہم جیتے جی جہان سے معدوم ہوگئے — اپنی نظر سے کم سببِ لاغری ہوئے
اک خال زیرِ زلف سے ظاہر مرے لئے — اے ماہ سو طریقۂ بد اختری ہوئے
رسوا نہ ہوتے کرتے نہ گر جیب و سینہ چاک — ہم آپ اپنی باعثِ پردہ دری ہوئے
مطلب نہ کفر سے ہے نہ اسلام سے غرض — دل دیکے اے صنم تجھے سب سے بری ہوئے
ثبت اس ساحرِ چشم میں ہیں خطِ سرمہ کے — جو انتخابِ نسخۂ افسونگری ہوئے
طالع ہوئے نہ اپنی سعادت سے ہمقریں — گرچہ بہت قرآنِ مہ و مشتری ہوئے

اے ذوق آج سامنے اس چشمِ مست کے
باطل سب اپنے دعوی دانشوری ہوئے

ناقص کا صفا کیش سے مطلب نہ بر آئے — جو کور ہو عینک سے اُسے کیا نظر آئے — ناتمام
فردوس میں گر اس لبِ شیریں کا گزر آئے — پانی دہنِ چشمۂ کوثر میں بھر آئے
ممکن نہیں کہ ہو وے تپِ سوزِ محبت — جوں شمع تجھے لاکھ پسینا اگر آئے
چاہیے زرانِ بتانِ سیمتن کے واسطے — ہم قلندریاں نہیں کوڑی کفن کے واسطے — مطلع

نا تمام — ایک کلک آہ بس ہے شرح غم کیواسطے — کون نیزۂ واسطی ڈھونڈھے قلم کیواسطے
سر تو ہے تن پر مرے تیغ ستم کیواسطے — پر لگا رکھتے ہیں وہ جھوٹی قسم کیواسطے
نا تمام — نعل شکل مہ تو جب ترے توسن کو لگے — چار چاند اور فلک پر مہ روشن کو لگے
بوسے کے مانگتے ہی پھیرنے چتون کو لگے — ایسے کیا لعل لب غیرت گلشن کو لگے
آشیاں ہو جیو مرغان ہوا کا برباد — بند کرنے ترے دیوار کے روزن کو لگے

متفرقات

رہی اسطرح بعد از مرگ دنیا کی ہوسناکی — شرابی ہو کے تائب جسطرح ہو جائے ترا کی
مطلع — ہوتا نہ اگر دل تو محبت بھی نہ ہوتی — ہوتی نہ محبت تو یہ کچھ آفت بھی نہ ہوتی
" مصروف چارہ دیکھا کیا چارہ گر کو میرے — مرچیں سی لگ رہی ہیں زخم جگر کو میرے
" جو دل نہ کشمکش طرۂ دوتا میں پڑے — تو پھر بلا کو غرض ہے کوئی بلا میں پڑے
" نگہ کا وار تھا دل پر پھڑکنے جان لگی — چلی تھی برچھی کسی پر کسی کے آن لگی
" پئیں مے آشکارا ہم کسی کی ساقیا چوری — خدا کی گر نہیں چوری تو پھر بندے کی کیا چوری
" ... ہے مٹی اپنی جو تربت میں مل گئی — جو پوچھو کہ تھی مراد محبت میں مل گئی
" ... بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے — ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے
" ... چاہیئے دل سپہر پشت خم دیکھے — سر اکو جیسے تھکا اونٹ دمبدم دیکھے
" ... ہیں ... پڑھتے سورے ہیں ملائک جا کے — طفل مکتب پڑھتے ہیں گنبد میں بسم اللہ کے
نا تمام — پاک رکھ اپنا دہن ذکر خدائے پاک سے — کم نہیں تیری زباں منہ میں ترے مسواک سے
جب ... تیر حوادث کی کمان افلاک سے — خاک کا تودہ بنایا میری مشت خاک سے
مطلع — دل ... لبہائے جاں بخش پر جاں طرۂ مشکیں پہ ہے — عیسائی اپنے دیں پہ ہے موسائی اپنے دیں پہ ہے
" ... سا دل جلوں نے جو برق لا کے رکھے — دوزخ بھی ہو تو انکی جلوؤں پہ آگ رکھے
" ... آنے کا مقرر تھا صدا وہ دن کرے — جو تو مانگے گا تجھے دونگا خدا وہ دن کرے

ذوق کہتا تھا کرونگا جمعہ کو حب کا عمل
کوئی اسکو یاد دلوائے ہوا وہ دن کرے

ہوس ہے کعبہ کی کیوں شیخ بتخانہ سے گمراہ ہو　　یہاں تو کوئی صورت بھی ہے واں تو ہی اللہ ہے　　مطلع
گر دردے کھونا دل مضطر سے کسی کے　　پانی دو پلا دار کے سر پر سے کسی کے　　״
تم بیٹھے بغل میں جو رقیب دغلی کی　　کی گرم بغل ہمنے بھی گور بغلی کی　　ناتمام
اے ذوق نہ کر نور میں آمیزش ظلمت　　کیا کام تبرّے کو محبت میں علی کی　　״
مقابل اس رخ روشن کے شمع گر ہو جائے　　صبا یہ دھول لگائے کہ پھر سحر ہو جائے　　״
ہمارے سینہ میں وہ آہ آتشیں ہے ذوق　　جو برق دیکھے تو فی النار والسقر ہو جائے　　״
کوئی کمر کو تری ہو اگر کمر تو کہے　　کہ آدمی جو کہے بات سوچکر تو کہے　　״
بلا سے ہووے مرا مرغ نامہ بر بھی بڑا　　کہ اسکو دیکھکے وہ منہ سے خوش خبر تو کہے　　״
ہر ایک شعر میں مضمون گریہ ہے میرے　　مری طرح سے کوئی ذوق شعر تر تو کہے　　״
اٹھاتا عشق میں کیوں اے دل ناداں جوکھوں ہے　　ابھی تو مال جوکھوں ہے پھر آگے جان جوکھوں ہے　　مطلع
ہمیشہ کام تھا مجنوں کو تو صحرا نوردی سے　　بسایا خانۂ زنجیر ہمنے پا بگردی سے　　״
جنوں سے میرے مجنوں بھاگتا جیسے بگولا ہے　　کہ میں صورت ہوں وحشت کی وہ یونہی اک ہیولا ہے　　״
خاک اڑاتا دشت میں گر تیرا سودائی پھرے　　پھر بگولا ہو تو کیا آندھی بھی بولائی پھرے　　״
گر رخ کا بوسہ دیتے نہیں لب کا دیجئے　　وہ ہی مثل ہے پھول نہیں پنکھڑی سہی　　ناتمام
فرہاد ضرب تیشہ سے ہے سخت ضرب غم　　سچ پوچھئے تو چوٹ ہمیں نے کڑی سہی　　״
تم دو گھڑی کو آؤ تو ہیں لب پہ جان کو　　ٹھہرا رکھوں کہ اور بھی یاں دو گھڑی سہی　　״
قدم سنبھال کے رکھ راہ عشق میں اے ذوق　　گذرنا اس رہ دشوار سے نہ آسان ہے　　قطعہ
جو کوئی آبلہ پائے مور بھی ہے تو یہاں　　ترے ڈبونیکو وہ بھی تنور طوفاں ہے　　״
کیا کہوں اسرار پر دیوستہ کے دل میں ہے　　ایک طمع مچھلیاں دو کشمکش سے بیں ہے　　مطلع
کہتے ہیں آج ذوق جہاں سے گذر گیا　　کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے　　فرد

فرد عزیز ناقۂ لیلی کے دیکھے گئے تیور غمزے
اگر مجنوں کو ملجائیگی خدمت ساربانی کی

کہاں ہم اور کہاں غم عشق سے ہمکو کچھ غرض مطلب
مگر اے حضرتِ عشق آپ نے یہ مہربانی کی

فرد مقدم صدق پر ہے کذب گرچہ صدق فائق ہے
کہ پہلے صبح کاذب یاں ہے پیچھے صبح صادق ہے

؎ راتوں کو نہ ہو حق کرے شیخ مناجاتی
سوتے ہوئے چونکیں گے زندانِ خراباتی

مطلع قطرہ قطرہ آنسو جسکی طوفاں شدت ہے
پارہ پارہ دل ہے جسمیں تو وہ تو وہ حسرت ہے

قطعہ اے ذوق بس نہ آپ کو صوفی جتائیے
معلوم سب ہے حقیقت ہو حق جناب کی

نکلے ہو میکدہ سے ابھی منہ چھپا کے تم
داب ہوئے بغل میں صراحی شراب کی

مطلع کیا ہم سخنی کرتا ہے اُس گل کے دہن سے
غنچہ سے یہ کہدو کہ چٹک جائے چمن سے

؎ ذکر کچھ چاک جگر سینہ کا سُن سُن اپنے
کرکے میں ضبط ہنسی دیکھوں ہوں ناخن اپنے

؎ ہم ہیں غلام اسکے جو ہیں خدا کے بندے
اسکو یقین جانو گر ہو خدا کے بندے

قطعہ تو بھلا ہے تو بُرا ہو نہیں سکتا اے ذوق
ہے بُرا وہ ہی کہ جو تجھکو بُرا جانتا ہے

اور اگر تو ہی بُرا ہے تو وہ سچ کہتا ہے
کیوں بُرا کہنے سے تو اسکے بُرا مانتا ہے

مطلع بیمار غم جو اسکا کھا کر زمین دیکھے
خوش خوش وہ مقبرہ کی جا کر زمین دیکھے

؎ آتے ہی گھر کی تو نے پھر جانے کی سُنائی
ہو جاؤں سُن نہ کیونکر یہ تو بُری سُنائی

؎ کھل کے گل کچھ تو بہار اپنی صبا دکھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

؎ آج تنہا خفقانی سے ہیں گھر میں پھرتے
کل کے جو وصل کے عالم میں نظر میں پھرتے

؎ ہم اور رقیب اک جا دونوں بہم نہ ہونگے
ہم ہونگے وہ نہ ہونگے وہ ہونگے ہم نہ ہونگے

کون سے دن نگہ تیز نہ خونریز رہی
مجھ پہ ظالم تری ہر روز چھری تیز رہی

فرد کیا بشر مانند یوسف کیا ملک ہاروت سے
عشق کے ہاتھوں لٹنے ہو جاتا اسیر چاہ ہے

مطلع خط بڑھا زلفیں بڑھیں کاکل بڑھی گیسو بڑھے
حسن کی سرکار میں جتنے بڑھے ہندو بڑھے

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مرکے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

آگ دوزخ کی بھی ہو جائیگی پانی پانی
جب یہ عاصی عرق شرم میں تر جائیں گے

ہم نہیں وہ جو کریں خون کا دعویٰ تجھ سے — بلکہ پوچھیگا خدا بھی تو مکر جائیں گے
شعلۂ آہ کو بجلی کی طرح چمکاؤں — پر مجھے ڈر ہے کہ وہ دیکھ کر ڈر جائیں گے

ذوقؔ جو مدرسے کے بگڑے ہوئے ہیں ملا
انکو میخانہ میں لے آؤ سنور جائیں گے

لاشے کو پھینکدیجے میرے کہ دفن کیجے — مردہ بدست زندہ جو چاہئے سو کیجے مطلع
معلوم ہوا بینی و ابرو بتاں سے — اک تیر ہے گویا کہ ملا ہے وہ کماں سے ،،
دل بچے کیونکر نگاہ چشم شوخ و شنگ سے — اپنا گھر تو سوجھتا ہو سیکڑوں فرسنگ سے ناتمام
او تغافل کیش جلدی آ کہ تو واقف نہیں — اس دل بیتاب و جان مضطرب کے ڈھنگ سے
بل بے باریکی کہ گویا اسکا ہے تار سخن — جستی ہیں جھٹکے نکلے ہے دہان تنگ سے

ذوقؔ زیبا ہے جو ہو ریش سفید شیخ پر
وسمہ آب رنگ سے مہندی کی گلرنگ سے

ڈسا ہو کالے نے جسکو کافر تو وہ فسوں کے اثر کھیلے — وہاں گیسو کا تیرے مارا نہ منھ بولے نہ سر کھیلے مطلع
گاہ بھی خلق اس در پہ حیرت پڑی آواز نہ تھی — گاہ یہ غل کہ سنائی دی کان پڑی آواز نہ تھی
بیقراری کا سبب ہر کام کی امید ہے — ناامیدی ہو تو پھر آرام کی امید ہے
مری طاعت سے اپنی معصیت بھی عار کرتی ہے — مری توبہ پہ توبہ توبہ استغفار کرتی ہے ناتمام
اگر انسان قانع ہو غنی ہووے دو عالم سے — ہوا و حرص لیکن اسکی مٹی خوار کرتی ہے
وہ ہوں میں پر معاصی سوختہ سوز ندامت سے — حذر دوزخ کرے جسکی شرار سنگ تربت سے ،،
اگر پوچھے کوئی مجھ سے کہ کیوں نالاں ہے یہ کہہ دوں — محبت سے محبت سے محبت سے محبت سے ،،
اگر اٹھے تو آزردہ جو بیٹھے تو خفا بیٹھے — لگایا جی کو اپنے روگ جب سے دل لگا بیٹھے مطلع
دل کہاں سیر و تماشے پہ مرا لگتا ہے — جیسے لگ جانے سے جینا بھی برا لگتا ہے ،،
رہے خاطر نہ سے شغل محبت کیونکہ بند اپنی — کلید قفل دل فریاد ہے مثل سینہ اپنی ،،
باقی ہے شیخ کو ابھی حسرت گناہ کی — کالا کرے گا منھ بھی جو داڑھی سیاہ کی ،،

مطلع عیاں ہے عشق کی گرمی ہویدا سوزش دل ہے — کہ آتا اپنا اشک سوختہ مانند فلفل ہے
فرد مجھے گہوارہ بھی تھا کشتی طوفان زدہ آسا — وہ ہوں مجنوں طفل اشک آفت رسیدہ میں لڑکپن سے
ناتمام کوئی ان تنگ دہانوں سے محبت نہ کرے — اور جو یہ تنگ کریں منہ سے شکایت نہ کرے
عشق کے داغ کو دل مہر نبوت سمجھا — ڈر ہے کافر کہیں دعوائے نبوت نہ کرے
مطلع درد دل سے لوٹتا ہوں میرا اسکو درد ہے — ہو نہیں لفظ درد جس پہلو سے الٹو درد ہے
〃 دل گرفتار ہوا یار کی عیاری سے — ہم گرفتار ہوئے دل کی گرفتاری سے
〃 جو کہو گے تم کہینگے ہم بھی ہاں یونہی سہی — آپکی یوں ہی خوشی ہے مہرباں یونہی سہی
〃 کتنے مفلس ہو گئے کتنے تونگر ہو گئے — خاک میں جب مل گئے دونوں برابر ہو گئے
ناتمام ساتھ تیرے ہم بھی جوں سایہ مقرر جائینگے — آگے جائیں تو پیچھے جائیں جائینگے پر جائینگے
〃 ابر رحمت ہے تجھے اسدم لگا دی تو جھڑی — کہتے ہیں جانیکو وہ دیکھیں تو کیونکر جائینگے
〃 ہم تو ان کے دلکو جذب دل سے کھینچے جائینگے — پر بڑے پتھر ہیں یہ مشکل سے کھینچے جائینگے
〃 دیکھیں تو دلکی کشش کبتلک نہیں کرتی اثر — ہم بھی نالہ اس دل بسمل سے کھینچے جائینگے
مطلع قفل صد خانہ دل آیا جو تو ٹوٹ گئے — جو طلسمات نہ ٹوٹے تھے کبھو ٹوٹ گئے
〃 جائے ہے زیر مغیلاں ترے دیوانوں کی — مدتوں چھان چکے خاک بیابانوں کی
ناتمام جو نہ اڑائے طرز نالہ کے جو اک دن تیرے محزوں سے — سوا ابتک دیکھ لو منقار طوطی سرخ ہے خوں سے
نہ شب آنکھوں میں خواب آیا خیال خال شبگوں سے — رہے بیدار ساری رات ہم اک حب افیوں سے
اثر ہو نالہ بیدرد میں اتنا تو اے بلبل — کہ ٹپکیں جائے شبنم اشک انجم چشم گردوں سے
یہ عالم ہے وہ خمخانہ کہ جسمیں دور گردوں نے — گل حکمت کے کتنے ہی خم خاک فلاطوں سے
ترے مجنوں کے تن پر لاغری کا قطع ہے جامہ — کرے ہے پیرہن دو دو اک برگ بید مجنوں سے
اڑائیں لوں جا دو گر بلا سے ہم نہیں ڈرتے — پڑا اپنا دام ہوا ہوتا ہے اس چشم پر افسوں سے
ناتمام کہتے ہیں لوگ جھوٹ نہیں پاؤں چھوٹ کے — چھوٹے تو نیچے بھی نہیں پاؤں ٹوٹ کے
چلتا ہو ذوق قید سے ہستی کے چھوٹ کے — یہ قید مار ڈالیگی دم گھوٹ گھوٹ کے

کیونکر حباب ہو سکے دریائے بیکراں — دریا سے جبتلک نہ ملے ٹوٹ پھوٹ کے — ناتمام

ہر دم دل خوں گشتہ میں اک جوش فزوں ہے — جو آہ ہے سینے میں سو فوارۂ خوں ہے

پھر جاتی ہے سینہ کو مری آہ بھی الٹی — برگشتہ جو قسمت ہے مری بخت نگوں ہے

دل کرتا ہے اس کوچہ کا جب قصد تو لیتا — طائر کی جگہ رنگ پریدہ سے شگوں ہے

قائم ہے بنا درد کی فریاد سے میری — جو نالہ ہے ایوان محبت کا ستوں ہے

قسمت برگشتہ دیکھو اک نگہ کی تھی ادھر — سو بھی آ کر تا سر مژگاں حیا سے پھر گئی — فرد

الفت کا نشہ جب کوئی مر جائے تو جائے — یہ درد سر ایسا ہے کہ سر جائے تو جائے — مطلع

اک صدمہ درد سر سے مری جان پر تو ہے — لیکن بلا سے یار کے زانو پہ سر تو ہے — ناتمام

وہ دل کہ جسمیں سوز محبت نہ ہووے ذوق — بہتر ہے اس سے سنگ کہ اسمیں شرر تو ہے

رات جوں شمع کٹی ہمکو جو روتے روتے — بہ گئے اشکوں میں ہم صبح کے ہوتے ہوتے — مطلع

ستمگر تو نے روکا سبکو میرے پاس آنے سے — اجل بھی گر کبھی آتی تو شاید کچھ بہانے سے — ناتمام

اگرچہ پیچکا ہو تو دل ویں اک زمانے سے — نہیں اسیر بھی لے کافر ترا ایماں ٹھکانے سے

پڑے تسبیح زاہد پر نگاہ مست گر اسکی — تو ٹپکے بادۂ انگور اسکے دانے دانے سے

کہتے ہیں لوگ موت تو سب جا کے جائے ہے — پر میرے پاس اس سے بھی کوئی کھائے جائے ہے — مطلع

کہوں اے ذوق کیا حال شب ہجر — کہ تھی اک اک گھڑی سو سو مہینے — قطعہ

نہ تھی شب ڈال رکھا تھا اک اندھیر — مری بخت سیہ کی تیرگی نے

تپ غم شمع ساں ہوتی نہ تھی کم — اور آتے تھے پسینوں پر پسینے

یہی کہتا تھا گھبرا کر فلک سے — کہ او بے مہر و بداختر کمینے

کہاں ہیں اور کہاں یہ شب مگر تھے — مری جانب سے تیرے دل میں کینے

سو اس ظلمت کے پردے میں کئے ظلم — ارے ظالم تری کینہ وری نے

عوض کس بادہ نوشی کے مجھے آج — پڑے یہ زہر کے سے گھونٹ پینے

حواس و ہوش جو مجھ سے قریں تھے — قرینے سے ہوئے سب بے قرینے

مری سینہ زنی کا شور سنکر
پھٹے جاتے ہیں ہمسایوں کے سینے

اُٹھایا گاہ اور گاہے بٹھایا
مجھے بیتابی و بے طاقتی نے

کہا جیب دل نے تو کچھ کھا کے سو رہ
بہت الماس کے توڑے نگینے

نہ ٹوٹا جان کا قالب سے رشتہ
بہت سی جان توڑی جانکنی نے

بہت دیکھا نہ دکھلایا ذرا بھی
طلوع صبح سے منھ روشنی نے

کہا جی نے مجھے یہ ہجر کی رات
یقیں ہے صبح تک دینگی نہ جینے

لگے پانی چوآنے منھ میں آنسو
پڑھی یٰسیں سرہانے بیکسی نے

مگر دن عمر کے تھوڑے سے باقی
لگا رکھے تھے میری زندگی نے

کہ قسمت سے قریب خانہ میرے
اذاں مسجد میں دی بارے کسی نے

بشارت مجھ کو صبح وصل کی دی
اذاں کے ساتھ میں فرخی نے

ہوئی ایسی خوشی اللہ اکبر
کہ خوش ہوکر کہا خود یہ خوشی نے

موذن مرحبا بروقت بولا
تری آواز مکے اور مدینے

قطعہ

کل ایک تارک دنیا سے میں نے پوچھا ذوق
کہ تو اکھڑ کے ادھر سے اُدھر ہوا پیوست

دیگر گذرتی ہوگی بآرام زندگی تیری
کہ تجھ کو اب نہ غم نیستی نہ شادی ہست

کہا یہ اُسنے کہ قید حیات میں انساں
کبھی نہ ہوگا دل آسودہ گو ہو مست الست

اُٹھائے ہاتھ جہاں سے ولیک کیا امکاں
کہ با فراغ کرے کنج عافیت میں نشست

چھٹا جو کوئی گرفتاریوں سے دُنیا کی
تو سلسلہ میں فقیری کی پھر ہوا پابست

رہا وہ خدمت مرشد کی قید میں برسوں
کہ حق پرست ہو وہ پہلے جو ہو پیر پرست

گر ایک عمر میں پہونچا مقام اعلیٰ پر
کہا یہ شوق نے ہو ہمت بلند نہ پست

جو دستگاہ تصرف میں بھی ہوئی اسکو
تو یہ ارادہ رہا اور بھی ہوں بالادست

ہمیشہ جنگ رہی بعد صلح کل کے بھی
کہ نفس دشمن سرکش ہو اسکو دیجئے شکست

جو ہوشیار ہے تو ہے وہ شرع کا پابند
پھنسا ہوا ہے وہ کیفیتوں میں گر ہے مست

نہیں ہے دام علائق سے مطلق آزادی ۔ مجال کیا کہ نکل جاوے کوئی اُڑ کے جست
کہا ہے خوب کسی نے یہ شعر برجستہ ۔ گیا زباں سے نکل ایسے جیسے تیر از شست
کہ کرد قطع تعلق کدام شد آزاد ۔ بریدہ ز ہمہ با خدا گرفتار ست

رُباعیات

کیا جانینگے اے ذوق بجز خاص عوام ۔ اعلیٰ جو علیؓ کی ہے امامت کا مقام
جو لوگ صفِ اولِ میثاق میں تھے ۔ پوچھے کوئی اُنسے کہ وہ کیسا تھا امام

سبطین نبیؐ یعنے حسنؑ اور حسینؑ ۔ زہراؓ و علیؑ کے دونوں وہ نور العین
عینک ہے تماشائے دو عالم کے لیئے ۔ اے ذوق لگا آنکھوں سے اُنکے نعلین

کیا فائدہ فکرِ بیش و کم سے ہو گا ۔ ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہمسے ہو گا
جو کچھ کہ ہوا ۔ ہوا کرم سے تیرے ۔ جو کچھ ہو گا ترے کرم سے ہو گا

دل اپنا غمِ دہر سے تو کر نہ اُچاٹ ۔ جس طرح کٹیں روزِ مصیبت تو کاٹ
اے ذوق فلک آپ ہے بارہ حصّے ۔ شورا ہو نہ کیوں تیرِ فلک بارہ باٹ

جبتک تھے گرہ میں احمقوں کی پیسے ۔ سب کہتے تھے اُنکو آپ ایسے ایسے
مفلس جو ہوئے تو پھر کسی نے اے ذوق ۔ پوچھا نہ کہ تھے کون وہ ایسے تیسے

اے ذوق کریگا کوئی دنیا کیا ترک ۔ دُنیا ہے بُری بلا ارے کیسا ترک
ممکن نہیں ترک ہو کسی سے دُنیا ۔ جبتک نہ کرے آپ اُسے دُنیا ترک

اے ذوق کبھی تو نہ خوش اوقات ہوا — اک دم نہ ترا صرف مناجات ہوا
تھا جبکہ جوان تھا جوان بدمست — جب پیر ہوا پیر خرابات ہوا

چشم اُسکی نشے سے جب گلابی ہو جائے — صوفی اسے دیکھ کر شرابی ہو جائے
دکھلائے جو وہ روئے کتابی اے ذوق — سب مدرسہ کا فر کتابی ہو جائے

ان آنکھوں سے روئے لالہ گوں بھی دیکھا — اور اُن کو ہر از سرشک خوں بھی دیکھا
کیا کیا دیکھا نہ رنگ ہمنے اے ذوق — یوں بھی دیکھا جہاں کو وُوں بھی دیکھا

دُنیا کے الم ذوق اٹھا جائیں گے — ہم کیا کہیں کیا آئے تھے کیا جائیں گے
جب آئے تھے روتے ہوئے آپ آئے تھے — اب جائیں گے اوروں کو رُلا جائیں گے

جن کو اسوقت میں اسلام کا دعویٰ ہے کمال — دیکھتا ہوں لیے اے ذوق میں انکا احوال
جسطرح سے کہ ہنسانے کو بیدینوں کے — نقل کرتا ہو مسلمان کی کافر نقال

اشعار متفرقات مثنوی

چاہئے نام اُسی کا اے خامہ — زینت نامہ زیب سر نامہ
فلک اس کے نمونہ قدرت کا — یک قلمداں ہزار صنعت کا
رخ قرطاس کو صفائی دی — اور سیاہی کو روشنائی دی
دیا قمری کو مصرع نالہ — مصرع سرو قد سرو پر بالا
کی عطا تو خطوں کو کلک ادا — کیا عاشق کو تختہ مشق جفا
ساقیا! جلد اٹھ دیر نہ کر — عرصہ مطلب کا دیکھ تنگ نہ کر

طاق سے تو اُتار رے شیشہ
طاق پر رکھ کتابِ اندیشہ

شیشۂ مے کی یہ درازِ زباں
اور پھر یہ ستم کہ بستہ دہاں

میں ہوں مانندِ ساغرِ لبریز
جاں بلب جاں بلب کو کیا پرہیز

جھوم جھوم ایسے بادل آنے لگے
پاؤں توبہ کے لڑکھڑانے لگے

کر دے یا تنک مجھے نشے میں چور ق
تاکہ مانند خوشۂ انگور

دل کے سارے پھپھولے پھوڑ دوں میں
نکتہ باقی کوئی نچھوڑ دوں میں

شبِ ہجراں بسر نہیں ہوتی
نہیں ہوتی سحر نہیں ہوتی

بسترِ رنج و کنجِ تنہائی
رات کیا آئی اک بلا آئی

شام سے حال ہے یہ صبح تلک
نہیں لگتی مری پلک سے پلک

کیوں نہیں بولتے سحر کے طیور
کیا شفق نے کھلا دیا سیندور

جانِ بیتاب جیسے بیکل برق
وہ بھی گرمِ رہِ فنا کالبرق

نبضیں چھوٹی ہوئی غشی طاری
ایک فرقت ہزار بیماری

دل سے رخصت ہوئی تابِ طاقت کی
بیقراری نے استقامت کی

ہوسِ سیرِ باغ ہے کس کو
دل ہے کس کو دماغ ہے کس کو

کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے گھر
سگِ دیوانہ بن گیا ہے گھر

ہو چکی دل کی اپنے عشق میں خیر
رہن دریا ہیں اور گریے بیر

ماہِ بے مہر بلکہ دشمنِ قہر
ہر ستم میں ستم شریکِ سپہر

فتنہ استادِ نرگسِ فتاں
گردشِ مژگاں ہجومِ شاگرداں

رخ تعالی اللہ زلف صلِّ علیٰ
قد وہ سبحان ربی الاعلیٰ

زلفِ مخفیاں میں رخ کی براقی
کرے مشائیوں کو اشراقی

گو انا زنگم نہ منھ سے کہے
لیک جاری زبانِ ہر ہو سے

پھیلی بادہ کی اے ذوالفنن
غرقہ کشتی بحرِ خوں سے مردمِ عین

کرد نافہ ازپئے دلِ زار ‎ ‎ رشتۂ کار و عقدۂ دشوار
رنگ پاں لعل روح افزا پر ‎ ‎ خون ثابت کرے مسیحا پر

قطعۂ خاتمہ

کیا وہ دنیا جسمیں ہو کوشش نہ دیں کیواسطے ‎ ‎ واسطے وانکے بھی کچھ یا سب یہیں کیواسطے
ذوقؔ عاصی ہے تو اس کا خاتمہ کیجیو بخیر ‎ ‎ یاالٰہی اپنے ختم المرسلین کیواسطے

تمت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قصائد

واہ وا کیا معتدل ہے باغ عالم کی ہوا ‎ ‎ مثل نبض صاحب صحت ہے ہر موج صبا
بھرتی ہے کیا کیا مسیحائی کا دم بادِ بہار ‎ ‎ بنگیا گلزار عالم رشک صدوار الشفا
ہے گلوں کے حق میں شبنم مرہم زخم جگر ‎ ‎ شاخ بشکستہ کو ہے باراں کا قطرہ مومیا
ہوگیا موقوف یہ سودا کا بالکل احتراق ‎ ‎ لالہ بے داغ سیہ پانے لگا نشو و نما
ہوگیا زائل مزاج دہر سے یانتک جنوں ‎ ‎ بید مجنوں کا بھی صحرا میں نہیں باقی پتا
ہوتا ہے لطف ہوا سے اس قدر پیدا لہو ‎ ‎ برگ میں ہر نخل کے سرخی ہو جوں برگ حنا
پائی یہ اصلاح صفرا نے کہ دنیا میں کہیں ‎ ‎ زرد چشم اب دیکھنے کو بھی نہیں ہے کہربا
ہر مزاج بلغمی میں ہوتی ہے تولید خوں ‎ ‎ چاندنی کا پھول ہوکر ارغوانی ہے بجا
نام کو اشیا میں نہ تلخی رہی نہ سمیت ‎ ‎ بن گئی تریاک افیوں زہر میٹھا ہوگیا
کیا عجب جدوار کی تاثیر گر رکھے زقوم ‎ ‎ نیش کی جا نوش حنظل دیوے شربت کا مزا
نیش کی جا نوش ہو دنبالۂ زنبور میں ‎ ‎ کام میں افعی کے ہو مہرہ بجائے آبلا

راحت و آرام کا اس دور میں ہو دور دورہ
چاہیئے واقف نہ ہو دوران سر سے آسیا

مونہا بند آنکھ میں اپنے جو رکھتی ہے صدف
اب رکھی ہے روشنی مشعل دلِ اہل صفا

آگیا اصلاح پر ایسا زمانے کا مزاج
تا زبان خامہ بھی آتا نہیں حرفِ دوا

نسخے پر لکھنے نہیں پاتا ہو الشافی طبیب
کہتا ہے بیمار بس کر مجھکو ہے بالکل شفا

فرق چاہا یا تنگ اعضائے بدن سے درد نے
درد کے جو حرف ہیں وہ آپ بھی ہیں سب جدا

لاغروں کو ہو کمال تاب و طاقت پہ شباب
کیسے وہ ہفتے ہلال اک شب میں ہو بدر الدجا

صبح صادق کے ہے گو سر میں سپیدی آگئی
لیکن اس پیری میں بھی صادق ہے ایسی اشتہا

بھوک کی شدت سے اسکو اک نفس فرصت نہ ہو
قرص سے خورشید کے جبتک نہ کر لے ناشتا

رات بھر ٹوٹنگا کیا انجم کے دانے چرخ پیر
پھر جو دیکھا صبح کو اصلا شکم میں کچھ نہ تھا

پہونچی یہ تفتیح کی نوبت کہ تو بتخانے میں
لیتی ہے جی کھول کر کیا کیا ڈکاریں قرنا

کوس پھولا ہے خوشی سے نفخ کا کیا دخل ہے
جوں حباب اسکے نہیں مطلق شکم میں امتلا

ہضم کامل اسقدر معدے نے پہنچایا بہم
جید الکیموس ہے جو حلق سے اُتری غذا

ہے مزاج اہل عالم یہ قریب اِعتدال
ساتوں اقلیمیں ہیں گویا اب بخط استوا

رکھے گا تعویذ اور گنڈا کوئی کیوں اپنے پاس
باغ عالم میں یہی عالم جو صحت کا رہا

دیکھا طاؤس اپنے بال و پر سے سارے نقش دھو
پھینک دے گی توڑ کر گنڈا گلے سے فاختا

اسقدر جاتی رہی عالم سے بیماری کہ آج
نام گلشن میں نہیں ہے نرگس بیمار کا

واقعی کس طرح سے صحت نہ اک عالم کو ہو
جب کہ ہو اُس کی نوید غسل صحت جانفزا

وہ ولی عہدِ زماں مرزا محمد بوظفر
اسکی قوت گر ضعیفوں کو بنادے اقویا

تقویت کا یہ اثر ہو عام جو ہیں برگ زرد
ہوں مقوی دل و جاں مثل اوراقِ طلا

شادی صحت سے اسکی آج ہو کر شاد شاد
تہنیت خوانی میں ہیں سرگرم سب مدحت سرا

میں بھی اس رشک چمن محفل میں وہ مطلع پڑھوں
بلبل تصویر سُن کر بول اُٹھے مرحبا

مطلع

آج ہے عالم میں وہ روز سعادت انتما
دے اگر زاغ و زغن بیضہ تو ہو پیدا ہما

مژدۂ جاں بخش صحت ہے ترا ماءالحیات
جس سے جوں سیماب کشتہ مردہ دل زندہ ہوا

ہے بقائے عمر سے تیری بقائے عمر خلق
ذات ہے تیری جہاں میں چشمۂ آب بقا

قطرہ افشانی سے آب غسل صحت کی ترے
ہوں دُر جوش آب پیدا اسقدر قوت فزا

ہو دیں استعمال یا قوتی میں وہ موتی اگر
بخشئے پیران کہن کو نوجوانوں کے قویٰ

جسم کو مل مل کے دھویا تونے جسدم وقت غسل
گرد کلفت کو دل عالم سے گو یا دھو دیا

دل عدوئے سنگدل کا تھا شقاوت سے جو سخت
زیر پا پامال ہوتا تھا برنگ سنگ پا

خوردۂ گل کو صبا لائی تصدق کے لئے
دے گیا ابر بہاری نذر دُر بے بہا

شادی صحت کا تیری کیا کہوں عالم کہ آج
جوش عشرت سے یہ عالم بن گیا عشرت سرا

چھیڑے تار شمع کو گر ناخن موج نسیم
بزم میں پیدا ہو تار ساز مطرب کی صدا

لب پہ ساغر کے ہے جوں موج تبسم موج مے
شور قلقل لب پہ ہے مینائے مے کے قہقہا

بزم تصویرات فانوس خیالی کی طرح
حلقۂ رقاصگاں ہے زیر گردوں جا بجا

کر رہا صحن چمن ہی میں ہے کیا طاؤس رقص
آشیانے میں ہے رقصاں طائر قبلہ نما

خانہائے چشم میں بھی پتلیوں کا رقص ہے
ہے جو منظور نظر اس کو تماشا رقص کا

چھوٹی آتشبازی ایسی جسکی گلکاری کو دیکھ
رات کو کہتے تھے آپس میں ثریا و سہا

صانع آتشباز پر حیرت زدہ ہوتی ہے عقل
سنگ پارس سے کہیں باروت کو پیسا تھا کیا

ہوگئی تاثیر جسکی یہ کہ ہر گلریز سے
ریزۂ فولاد نکلے بن کے گلہائے طلا

گنج چھٹتے تھے ستاروں کے عجب انداز سے
ماہ پاروں کا تھا گویا خندۂ دنداں نما

منہ کیا جو رنگ سے مہتاب کے مہتاب ہو
غازہ سے ہر چند چمکے رنگ روئے مہ لقا

برج جو اڑکر ہوئے قندیل شب زیر فلک
بُرج تھے جتنے فلک پر سب کو روشن کر دیا

فی الحقیقت یہ وہ شادی ہے کہ اسکے روبرو
جشن جمشیدی کا کچھ مطلق نہیں رتبہ رہا

ہے زبانِ خامہ عاجز آگے بس تعریف میں
ذوقؔ کہتا ہے اٹھا کر ذوق میں دستِ دعا

رکھے صحت سے ہمیشہ شافیِ مطلق تجھے
جو ترے بدخواہ ہیں وہ رنج میں ہوں مبتلا

قصیدۂ دوم

شب کو میں اپنے سرِ بسترِ خوابِ راحت
نشۂ علم میں سرمستِ غرور و نخوت

مزے لیتا تھا پڑا علم و عمل کے اپنے
تھا تصور مرا ہر امر میں تصدیق صفت

ہو گیا علم حصولی تھا حضوری مجھ کو
تھا مرا ذہن نہ محتاجِ حصولِ صورت

جو مسائل نظری تھے وہ بدیہی تھے تمام
عقل کو تجربہ کی اتنی ہوئی تھی کثرت

نہ غرض مجھ کو نتیجہ سے نہ تھا شکل سے کام
تھی مری فکر کو ہر شکل خطا سے عصمت

ذہن میں سب مرے حاضر صورِ علمیہ
پر حقائق نہ تھی منظور مجھے علمیت

چار و ناچار جو ترغیب سے یاروں کی کبھی
درس و تدریس پہ آجاتی تھی مجھ کو رغبت

کبھی ہمت تھی مری قاعدۂ صرف میں صرف
کبھی تھی نحو میں ہر نحو مجھے محویت

کبھی منطق کو تفوق یہ مرے ناطقہ سے
تحتِ حکمت ہو یہ فن گرچہ ہے تحتِ حکمت

کبھی میں کرتا تھا تصریحِ معانی و بیاں
کبھی میں کرتا تھا توضیحِ نجوم و ہیئت

کبھی تقسیمِ فرائض کبھی تفہیمِ اصول
کبھی تعلیمِ عقائد بہ کتاب و سنت

کبھی تھا علمِ الٰہی کی طرف ذہنِ رسا
کبھی کرتی تھی طبیعی میں طبیعت جودت

کبھی تھا عقل پہ مذہب مرا مانندِ حکیم
کبھی مثلِ متکلم مجھے پاسِ ملت

کبھی کرتا تھا قدمِ چرخ کا ثابت بجہات
اور کبھی کرتا تھا باطل بہ سماء انشقت

کبھی انکارِ قیامت پہ میں لاتا تھا دلیل
کبھی تکرارِ تناسخ پہ مجھے سو حجت

حشرِ اجساد میں تھا گاہ تردد مجھ کو
کبھی تھا عالمِ برزخ میں مجھے اک حیرت

کبھی تھی عرصۂ تدویرِ فلک کی مجھے سیر
کبھی میں ناپتا تھا سطحِ زمیں کی وسعت

کبھی ثابت مرے نزدیک فلک کی گردش
کبھی ثابت مرے نزدیک زمیں کی حرکت

کبھی میں کرتا تھا اعراض میں جوہر قائم
کبھی میں کرتا تھا معلول سے ثابت علت

کبھی منقول پہ مائل کبھی سوئے معقول
کبھی ہیں فقہ پہ راغب کبھی سوئے حکمت

کبھی ہیں حافظِ قرآن بعلمِ تجوید
کبھی ہیں قاری قرآن بعلم قرأت

کبھی کرتا تھا مجسطی پہ حواشی تحریر
کبھی کرتا تھا اشارات و شفا کی صحت

کبھی ہیں کرتا تھا قانون سے تشریح علاج
کبھی ہیں کرتا تھا قاموس میں تصحیح لغت

کبھی ہیں لون سے بینندۂ بیمار و صحیح
کبھی ہیں نبض سے یابندۂ ضعف و قوت

گہ نباتات کی آگاہ ہیں کیفیت سے
گہ جمادات کی معلوم مجھے خاصیت

کبھی مشائیوں سے کرتا تھا میں پیش روی
کبھی لیجاتا تھا اشراقیوں پر میں سبقت

کبھی ہیں نفیِ حقائق میں تھا سوفسطائی
کبھی ہیں معتزلی باعثِ رد رویت

کبھی ہیں جبری و مجبور بہ عقل و تدبیر
کبھی ہیں قدری و مختار بقدرِ طاقت

گہ ملاحدہ کی تھی تردید کلام الحاد
گہ وجودی و شہودی سے بیانِ وحدت

جوں مہندس کبھی مالوف بہ شکل و مقدار
جوں محاسب کبھی مضروب بضرب و قسمت

کبھی حرفوں سے تھا مطلوب مثالِ جفار
کبھی بجز نقطے سے مقصود تھا رمال صفت

خانۂ کیسہ سے خارج کبھی شکلِ داخل
شکل خارج تھی کبھی داخل بیتِ غربت

کبھی کرتا تھا قرآنِ مہ و زہرا پہ نظر
کبھی تھا دیکھتا مریخ و زحل کی رجعت

کبھی افسون و عزیمت کبھی تعویذ و طلسم
کبھی تجویز زکوٰۃ اور کبھی قصدِ دعوت

کبھی تھا علم قیافہ میں یہ ادراک مجھے
ایک صورت سے بیاں کرتا تھا میں سو سیرت

کبھی میں رہتا سرودی میں تھا ایسا مشغول
کہ نہ تھی ایک نفس ضبطِ نفس سے فرصت

سیمیا سے کبھی تصویر کشِ موہومات
کیمیا سے کبھی میں زرکشِ گنجِ دولت

کبھی میں شیخ شیوخ اور کبھی شوخ رئیس
کبھی علامہ کبھی صوفی صافی طینت

کبھی میں قربِ فرائض سے تھا عالی درجہ
کبھی میں قربِ نوافل سے تھا والانیت

مائل موسیقی ایسا کہ ادا کرتا تھا
کبھی میں بارہ مقام اور کبھی چاردہ مست

کبھی میں شاعر نغز اور ادب دانِ بلیغ
نظم میں نام مرا نثر میں میری شہرت

کبھی کرتا تھا عروضی کا بھی میں قافیہ تنگ طبع موزوں کی دکھاتا تھا جو موزونیت
کبھی پیشِ نظر انجیل و زبور و توریت کبھی مصحف میں نظر میری سر ہر آیت
کبھی زیرِ دشتیوں میں ایسا کہ سارے موبد ژند و پاژند میں کرتے تھے مری تبعیت
کبھی یہ آگہی شاستر و بید پران کردوں اک بات سے پنڈت کی کتھا میں کھنڈت
کبھی میں نغز و معمّا میں نہایت ذی ہوش کبھی اخبار و تواریخ میں صاحب خبرت
آخرش دیکھا تو العلم حجاب الاکبر عاقبت پایا تو ہاں آبلہ کو اہلِ جنت
فائدہ کیا جو ہر اک علم کی جانی تعریف فائدہ کیا کہ ہر اک فن کی کھُلی ماہیت
فائدہ کیا کہ جو دیکھی کتب ہر مذہب فائدہ کیا جو ہوئی آگہی ہر ملت
عقل سے گرچہ کیا مادہ ایسا پیدا کہ بہر شکل ہوا اک تازہ تحمل صورت
یا بنائی کوئی صورت کہ جسے دیکھ سکے ہو ہیکلِ روم سے بتخانۂ چیں تک حیرت
بے مقدر نہ پڑی صورت بہبود نظر دور آئینۂ دل سے نہ ہوا زنگ کلفت
پڑھوں اک مطلع برجستہ میں اس موقع پر جسکو سنکر کہیں احسنت سب اہلِ فطنت

مطلع

گر نہ دے صاحبِ جوہر کو مقدر عزت جوہر فرد ہے بالفرض تو کیا بے قسمت
کیا ہوا علم معقول سے اگر کیف کی ہے لیک بے یاوری بخت نہیں کیفیت
قاضی چرخ بھی جو تو ہے تو کیا گر تیرے مثلِ دہقان فلک پہ کھیتے ہوں طالع نکبت
دورِ گردوں نہ موافق ہو تو ہو ادبر خفیف جرِ اثقال میں تو جتنی اٹھائے محنت
آگے برگشتگی بخت کے چلنے کی نہیں نظری و عملی کوئی بھی تیری حکمت
گو فصاحت میں تو سحباں ہی ہو لیے بے تقدیر حرفِ مطلب پہ زباں کو ہو تری سو لکنت
گو ریاضی میں ہے صنّاع اگر بخت ہیں بد نقشِ باطل ہے تری شکل وہ جسمیں صنعت
کیا ہوا جانا اگر مسئلۂ سیر و مدار پستی بخت سے جو تجھ کو نہیں ہو رفعت
کام تقویم نہ آئے نہ ترے اصطرلاب طالع بد سے اگر نیک نہ آئی ساعت

علم سے ہو نہ کبھی چارۂ آزار نصیب — پر بینا ہے تو کیا سینہ میں جوں ہو حسرت
سو دوائیں ترے نسخے میں ہوں پر بے تقدیر — نہ ہو بالخاصہ تاثیر نہ بالکیفیت
علم نیرنج سے گر بوئے تو نخل نارنج — بے مقدر نہ ہو حاصل ثمر خوش لذت
علم سے جو سبق آموز ملائک تھا وہ دیکھ — بخت بد سے ہوا مستوجب رجم و لعنت
ہوا مسجود ملائک یہ ظلوم اور جہول — یعنی انسان تو ہی بخت و ضعیف الخلقت
گو تصوف سے ہو تو صوفی سجادہ نشین — بے مقدر نہ کرامت ہو نہ خرق عادت
علم سے لاکھ ہو شیخی تری پر بے تقدیر — نہ کہے کوئی تجھے شیخ علیہ الرحمت
یہ مقالات مثال قصص مصنوعہ — ہو رہے اک بار جو افسانۂ خواب غفلت
لگ گئی آنکھ مری دیکھتا کیا خواب میں ہوں — کہ مجسم نظر آئے ہے نوید بہجت
اللہ اللہ رے حسن اس کا کہ سر تا بہ قدم — تھا وہ خلقت کا تماشائے ظہور قدرت
یاد کرتا قد رعنا کو ہے اس کے زاہد — دم تکبیر جو کہتا ہے سدا قد قامت
چشم وحشی کو اگر اپنے وہ دکھلائے تو ہو — چشم آہو سے ہرن نشۂ جام وحشت
دل شامت زدہ کے درپئے تدبیر ہلاک — زلف دا ژدون تھی وہ رخسار پہ اژدون تہمت
آتش حسن سے اک شعلۂ سرکش بنی — موجۂ دود لطیف اسکے بھووں کی حالت
فوج مژگاں وہ بلا ہو جو صف آرا تو کرے — دست بیداد سے یکدست دو عالم غارت
چاہ بابل وہ ذقن اور دھواں زلف کا عکس — دل گرفتار عذاب اس میں ہو ہاروت صفت
لعل شیریں کی حلاوت پہ جو دے جاں عاشق — تو دم نزع بھی عناب کا چاہے شربت
نہ دم تشرم تبسم سے لب اس کے خوگر — نہ تغافل سے ان آنکھوں کو نگہ کی عادت
کھول دے معنئے معدوم کمر کی جنبش — وا کرے عقدۂ موہوم لبوں کی حرکت
شوخی و ناز کی تعریف میں اسکے مطلع — وہ پڑھوں میں کہ جسے سنکے ہو دل کو فرحت

مطلع ثالث

شوخی میں جہرہ یہ پنہاں گل میں ہو جیسے حمرت — نازیوں چشم میں نرگس میں ہو جیسے نکہت

لب ہاں خوردہ کی شوخی سے ہے آگے اک بات　　گر لگا دے وہ مسیحا پہ بھی خوں کی تہمت
نازک اندام وہ اور سنگدل ایسے بھی ہوا　　آیا جن سنگدلوں کے لئے جزو قسمت
پیلی سینہ پہ تھی جعد پس پشت کا عکس　　نظر آتا تھا صفائی سے الف کی صورت
چنپئی رنگ کا وہ اپنے دکھا کر عالم　　ایک عالم کا ہو دل لیکے بغل میں جنت
اللہ اللہ رے تری تمکنت اور اف رے تمیز　　واہ رے تیرا تبختر تری بل بے نخوت
قہر انداز بلا ناز قیامت طناز　　سحر چشمک ستم ایما و کرشمہ آفت

جا بجا عالم مستی میں قدم کو لغزش　　دم بدم نشۂ صہبا سے زباں کو لکنت
آکے اس رشک مسیحا نے کہا بالیں پر　　لا تنم قم کہ یہ غافل نہیں وقت غفلت
شور بختی سے نہ اتنا نمک افشاں ہو کہ ہو　　بادۂ میکدۂ عیش کی کم کیفیت
کیا سبب ہے ترا کدورت سے نہیں کیوں خالی　　دل ترا شیشۂ ساعت کی طرح اک ساعت
بزم ہستی میں تو ہمنفس بول رہے گا کب تک　　صورت شمع سحر سوختہ رو کی صورت
آتش دل سے ترے گوشۂ تنہائی میں　　بن گئے شعلۂ جوّالہ کمند وحدت
وقت ضائع نہ کر اٹھ بستر اندوہ سے تو　　چل در میکدہ تک ہے حرکت سے برکت
فکر باطل سے نہ کر دل کو خنک تو اپنے　　ہے تجھے مثل سحر یک دو نفس کی مہلت
دیکھ تو کیا افق مشرق انوار سے ہے　　جلوہ افروز رخ بانوئے صبح عشرت
ادہم لیل بسر عرصہ ہے برگشتہ عناں　　اشہب یوم تنک سیر ہے سوئے ساحت
جانب مشرق ہے نور سے فلق بال کشا　　جانب غرب ہے پرواز غراب ظلمت
چرخ مینائی پہ اک سبز پری کا عالم　　شفق صبح پہ اک لال پری کی حالت
نکہت گل جو ہوا میں تو ہوا عطر فشاں　　تازگی گل کو چمن سے تو چمن کو نزہت
کھلے ہی جاتے ہیں سب غنچہ نہ ہے جوش نشاط　　ٹوٹے ہی جاتے ہیں گل بل بے ہنسی کی شدت
آج یہ جوش پہ ہے رحمت باری کہ کہیں　　نہ رہی کلفت عصیاں سے جہاں میں ظلمت
طفل نو مشق کی مشقی کی طرح سو سو بار　　دھوئے مستوں کے سیہ نامے کو ابر رحمت

کہے یہ رند کہ او زہد فروش آگ نہ پھانک — مانگے گر بادۂ نو زہد کہن کی قیمت
قتل ہوا زہد کا قلیا ہوئی زاہد کی تمام — سنتے ہی قلقل مینائے شراب عشرت
اس قدر ساز طرب ساز کی آوازہ بلند — چھیڑیں گر تار کھرج کا تو ہو پیدا دھیوت
نغمہ بر لب کہیں مطرب پسر زہرہ جبین — جام در دست کہیں مغ بچۂ مہ طلعت
بن کے انگڑائی کہیں ہنسنے لگی راہم کلی — اُٹھتی ملتی ہوئی آنکھوں کو کہیں اپنے للت
چشم سرمست مے ناز میں کاجل پھیلا — لب میگوں پہ مسی کی پڑی پھیکی رنگت
بے نمک آیا نظر حسن مہ و انجم چرخ — ہوگیا زرد و رخ شمع و چراغ خلوت
چونکے مرغ سحری عرش سے آوازہ خروش — ہوگئی خواب کو آوازۂ کوس رحلت
باغ عالم میں ہیں مرغان اُلی اجنحہ تک — مثل مرغان سحر نغمہ طراز عشرت
دی ہے مسجد میں مؤذن نے اذاں بہر نماز — باوضو ہوکے نمازی نے ہے باندھی نیت
ہوئی بتخانے سے ناقوس کی پیدا آواز — چلے جمنا کو برہمن کوئی لیکر مورت
اٹھے میخوار صبوحی کے لئے لے کے سبو — کہ عداوت ہے اگر کیجئے ترک عادت
اک طرف سے ہوئی گھڑیال کی آواز بلند — ایک جانب سے لگی آنے صدائے نوبت
سحر عید ہے کہ عید کا سامان نشاط — روز شادی کی ہے آمد شب غم کی رخصت
آج وہ دن ہے کہ آغوش میں لیکر تجھ کو — کہے طوبیٰ لک ہر شاہد طوبیٰ قامت
اب ہیں بیدار ترے بخت مددگار نصیب — اب قوی ہیں ترے طالع تری یاور قسمت
فکر کر تہنیت عید کا اس شاہ کی تو — دور میں جسکے ہے ہر صبح صباح دولت
وہ شہنشاہ بہادر شہ کسریٰ انصاف — خسرو جم خدم و داور دارا حشمت
قوت ملت و دیں قاطع کفر و الحاد — حامی شرع نبی ماحی شرک و بدعت
حکم شرعی ہے کرے سلب سب جذبہ شوق — مرد بجد دید سے گر ترک ہو ستر عورت
کون اسکا نہیں وصاف صفات نیکو — کون اس کا نہیں سرگرم ثنائے مدحت
سنتے ہی میں نے بھی وہ مطلع روشن لکھا — مطلع صبح کو ہو سامنے جس کے خجلت

مطلع رابع

مصحفِ رُخ ترا اے سایۂ ربّ العزت　　کھول دے معنیٔ اتممتُ علیکم نعمت
تیرا دروازۂ دولت ہے مقامِ امید　　تیرا دیوانِ عدالت ہے محلِ عبرت
تیرا احسان، بہارِ چمنِ صدر رونق　　تیری نیت چمن آرائے ہزار امنیت
تیرے عشرت کدے میں بار کسے غیر نشاط　　تیرے خلوت کدے میں دخل کسے جز طاعت
صفحۂ علم پہ ہر جنبش سے تو ہم زانو　　حجلۂ عیش میں ناہید سے تو ہم صحبت
ماہِ نو ایک فلک پر ترے نو پردوں میں　　نو فلک نوکروں میں تیرے قدیم الخدمت
کیسۂ گوہرِ انجم ترا صرفِ انعام　　طاقۂ اطلسِ گردوں ترا وقفِ خلعت
نیک نیت تری آئینۂ حسنِ عمل　　عملِ خیر ترا جلوۂ حسنِ نیت
ذہنِ عالی ہے ترا طائرِ شاخِ سدرہ　　طبعِ رنگیں تری گلچینِ ریاضِ جنت
ترا افضال جہاں کے لئے برہانِ کرم　　ترا اکرام زمانے کو دلیلِ رحمت
علمِ ظاہر سے ہے یکساں تجھے دور و نزدیک　　نورِ باطن سے برابر ہے حضور و غیبت
ذہن صافی ہے ترا پردہ درِ معنیٔ غیب　　موشگافی ہے تری کوہ شگافِ دقت
عقل میں شمس ہے تو علم میں کانِ گوہر　　فضل میں کعبہ ہے تو حلم میں کوہِ رحمت
تیری تدبیر پرا از دفترِ ہوش و فرہنگ　　تیری شمشیر پر از جوہرِ فتح و نصرت
دعوتِ صدق پہ لائی تری ایماں تصدیق　　دستِ ہمت پہ کرے تیرے سخاوت بیعت
تجھ سے راضی ہے خدا اور خدا کا محبوب　　تیرا حامی ہے نبیؐ اور نبی کی عترت
عزم کو ہے ترے ہر عزم میں عزم بالجزم　　قصد کو تیرے ہے ہر قصد میں قصدِ سبقت
قوتِ روح ملاکِ چمنِ قدس میں ہو　　ذاتِ قدسی کا ترے عطر قبائے عفت
کیا اللہ نے جب تجھ سا ولی نعمتِ خلق　　کیونکہ واجب نہ خلائق پہ ہو شکرِ نعمت
نطق شیریں سے ترے عام حلاوت ہو اگر　　ثمرِ تلخ ہو حنظل کا سبوئے شربت
شوکتِ عقرب جرّارہ کے مانند رہے　　دلِ حاسد میں خلشگر ترا رشکِ شوکت

روشن شیشہ ہر اک سنگ ہو ریزہ ریزہ — پڑے البرز پہ گر گُرز کی تیرے ضربت
سر کشفت وار چھپاتا ہے فلک زیرِ سپہر — کہ غضب ہے تری شمشیر غضب کی ہیبت
آئے طوفاں جو ترے قہر کا طغیانی پر — کشتی نوح بھی اعدا کو ہو گرداب صفت
وہ تری تیغ کی بُرش ہے کہ جس کا سایہ — کر دے اک دم میں ہیولے سے مفارق صورت
تیرا بدخواہ رہے حشر سے یا تنگ خُردم — دیں نہ تعویذ لحد تا بہ نشانِ تُربت
آسیا وار پھرے کیوں نہ فلک گرد زمیں — تیرے توسن سے جو کاوے کی اڑا جائے پھُرت
کیا ترے فیل سیہ صاف لکھوں میں کہ وہ ہے — ابر رفتار تحمل میں یکے کوہ دمل رفعت
اسکی خرطوم ہے گر طرۂ لیلیٰ کے مثال — تو ہیں دندان صفا ساعد سیمیں کی صفت
کیا عجب گر ہو تپ لرزہ ہیبت سے ترے — نبض کی طرح رگ سنگ میں پیدا سرعت
آب باراں کرم ہے وہ ترا شہر بہت خضر — برسے لالے پہ تو انہوں میں نہ ہو سمیت
عدل کے لفظ کو دیتا نہیں نقطہ کوئی — عدل سے تیرے جو موقوف ہے رسم رشوت
عہد میں تیرے عجب کیا سر داغ دل شمع — شعلہ میں مرہم کافور کی ہو خاصیّت
پنجۂ گربہ سر بچۂ موش و کنجشک — ہے حمایت سے تری دایہ کا دست شفقت
دور انصاف میں گر تیری ہو کشتہ سیماب — تو بلا شبہ پڑے دینی مہوس کو دیت
دیا اللہ نے وہ قلب مصفا تجھ کو — اے شہنشاہ صفا ذہن و سراپا صفوت
فرد تفصیل حوائج ہے رخ حاجت مند — عرض حاجت کی نہیں سامنے تیرے حاجت
عید کو دیکھ ترے ساتھ خلائق کا ہجوم — کہے عارف کہ یہ کثرت میں ہے ظاہر وحدت
لکھے گر خامہ ترا وصف شمیم اخلاق — تو ہر اک نقطہ ہو اک نافۂ مشک تبت
منتہی ہوں نہ کبھی تیرے صفاتِ نیکو — گر بیاں کیجئے تا حشر صفت بعد صفت
ذوق کرتا ہے دعائیہ پہ اب ختم سخن — کہ زباں کو ہے نہ یارا نہ قلم کو طاقت
عید ہر سال رہا کرے مبارک ہو تجھے عالم میں — باشکوہ و حشم و جاہ بہ عمر و صحت
خیر خواہوں کے ترے چہرے پہ ہو رنگ نشاط — اور بدخواہوں کے رخسار پہ اشک حسرت

قطعہ در تہنیتِ جشنِ نوروز

خسروا اُس کے ترا مژدہ جشنِ نوروز
آج ہے بلبلِ تصویر تلک زمزمہ سنج
خبرِ عیش تری دے ہے چمن کو جا کر
زرِ گل پیکِ صبا پائے نہ کیوں کر پا رنج
بادۂ جوش جوانی کی ہے گویا اک موج
تنِ پیرانِ کہن سال پہ ہر چین شکنج
چند قطرے سے ہیں شبنم کے وہ بلکہ کمتر
آگے ہمت کے ترے گوہرِ شہوار کے گنج
حسنِ نیت سے ہے تو یوسفِ مصرِ بخشش
دستِ حاتم میں بجا ہے کہ جو دیں تیغ ترنج
ششِ جہت پر ہے جو غالب ترا سرپنجۂ امن
فتنے کو اُٹھنے نہ دے جوں نرد ہے کیا کیا شش پنج
نہ بجھے آب سے آتش نہ خس آتش سے جلے
ایک سے ایک موافق کہ مرنجان و مرنج
ترے منصوبے کے تابع ہیں سب احکامِ نجوم
صفحۂ تقویم کا گویا ہے بساطِ شطرنج
لایا ہے معنیِ رنگیں سے یہ لعلِ خوش رنگ
ذوق جو مدح و ثنا میں ہے ترے گوہر سنج
خسروا ہوتا ہے اس رنگ سے معلوم یہ رنگ
رنگِ نوروز جو ہے اب کی برنگِ نارنج
بزمِ رنگیں میں تری رنگِ طرب ہو ہر روز
اور ترے خاطرِ اقدس پہ کبھی آئے نہ رنج

قصیدۂ سوم

زہے نشاط اگر کیجیے اسے تحریر
عیاں ہو خامے سے تحریرِ نغمہ جائے صریر
زباں سے ذکر اگر چھیڑیے تو پیدا ہو
نفس کے تار سے آوازِ خوشتر از بم و زیر
ہوا یہ باغِ جہاں میں شگفتگی کا جوش
کلیدِ قفلِ دلِ تنگ و خاطرِ دلگیر
کرے ہے والبِ غنچہ دہن ہزار سخن
چمن میں موجِ تبسم کی کھول کر زنجیر
کچھ انبساط ہوائے چمن سے دور نہیں
جو وا ہو غنچۂ منقارِ بلبلِ تصویر
قفس میں بیضے کے بھی شوقِ نغمہ سنجی سے
عجب نہیں کہ ہو مرغِ چمن بلند صفیر
اثر سے بادِ بہاری کے لہلہاتے ہیں
زمیں پہ ہمسرِ سنبل ہے موجِ نقشِ حصیر
نکل کے سنگ سے گر ہو شرارہ تخم فشاں
تو سبزِ فیضِ ہوا سے ہو وہ برنگِ شعیر
زمیں پہ گرتے ہی لے آئے دانہ برگ و ثمر
جو ٹوٹے ہاتھ سے ترا ہار کے سبحۂ تزویر

ہوا پہ دوڑتا ہے اس طرح سے ابرِ سیاہ — کہ جیسے جائے کوئی پیل مست بے زنجیر
نہ خار دشت ہے نرمی میں خوابِ مخمل ہے — ہر ایک تارِ رگِ سنگ بھی ہے تارِ حریر
ہوا میں ہے یہ طراوت کہ دودِ گلخن بھی — برستا اٹھے ہے آتش سے مثلِ ابرِ مطیر
یہ آیا جوش میں بارانِ رحمتِ باری — کہ سنگ سنگ میں سنگِ بدہ کی ہے تاثیر
ہر ایک خار ہے گل ہر گل ایک ساغرِ عیش — ہر ایک دشت چمن ہر چمن بہشت نظیر
ہر ایک قطرۂ شبنم گہر کی طرح خوش آب — ہر ایک گھر گہرِ شب چراغ پُر تنویر
کرے ہے صبح شکر خندہ اس مزے کے ساتھ — کہ جس طرح بہم آمیختہ ہوں شکر و شیر
سنوارتی ہے جو شام اپنی زلفِ مشکیں کو — سوادِ مشکِ ختن پر ہیں لاکھ آہو گیر
نہالِ شمع سے ہر شب چنے گلِ شب بو — بہارِ عیش میں گلچیں کی طرح ہے گلگیر
ہنسے چراغ تو ایسی ہنسی میں پھول جھڑیں — حنا ہے رنگِ گلِ آفتاب ہو تغییر
رہے ہے چرخ پہ ہر صبح جوں صبوحی کش — بایں درازیِ ریشِ آفتاب ساغر گیر
عجب نہیں ہے کہ آرائشِ زمانہ سے — حنائی پنجہ ہوں تاک و چنار بیدِ انجیر
چمن میں ہے یہ درختانِ سبز پر جو بن — کہ زہر کھاتے ہیں سبزانِ خطۂ کشمیر
نہ کیونکہ دیکھ کے گلشن کو یہ پڑھوں مطلع — کہ آئے ہے نظر اک قدرتِ خدائے قدیر

مطلعِ ثانی

ظہورِ نرگس و گل جلوۂ سمیع و بصیر — نسیم نکہتِ گل اطہر و لطیف و خبیر
شمیمِ عیش سے ہے یہ زمانہ عطر آگیں — کہ قرصِ عنبر اگر ہے زمیں تو گرد عبیر
حمل سے حوت تلک جا بجا ہیں تصویریں — بنا ہے عالمِ بالا بھی عالمِ تصویر
جہاتِ ستہ سے بزمِ جہاں ہے وسعت خواہ — کہ ہے ہجومِ نشاط و سرورِ جمِّ غفیر
زمانہ دشمنِ عشرت کا اس قدر قائل — مہ صیام کو دیکھے نہ کوئی بے شمشیر
ہوا ہے مدرسہ یہ بزمگاہ عیش و طرب — کہ تمس بازغہ کی جا پڑھے ہیں بدرِ منیر
اگر پیالہ ہے صغریٰ تو ہے سبو کبریٰ — نتیجہ یہ ہے کہ سرمست ہیں صغیر و کبیر

زمین میکدہ یہ خندۂ نشاط انگیز
کہ لائے مے سے ہو دیوار قہقہۂ تعمیر

دیا ہے رنج کو دھو تیرے غسل صحت نے
ضمیر خلق سے اے بادشاہ پاک ضمیر

عجب نہیں یہ ہوا ہے کہ مثل نبض صحیح
کرے اگر حرکت موج چشمۂ تصویر

شہنشہا ترے یمن شفائے کامل سے
جو لاعلاج مرض تھے وہ ہیں علاج پذیر

کہ چوب گل کو اگر ماریں بید مجنوں پر
تو صورت بشر ہو ہوشمند خوش تقریر

اشارہ فہم ہو ایسا کہ وہ بیان کرے
زبان برگ سے گونگوں کے خواب کی تعبیر

جو میل کحل بصارت ہو کلک خط غبار
تو چشم دائرۂ عین بھی ہو چشم بصیر

نہ موج مے کو ہو پیچش نہ شیشہ لے ہچکی
گئی جہاں سے یہ بیماری فراق و زحیر

نہ برق کو تپ لرزہ نہ ابر کو ہو زکام
نہ آب میں ہو رطوبت نہ خاک میں تبخیر

بدل گئی ہے حلاوت سے تلخیٔ دارو
شراب تلخ بھی ہو میکشوں کو شکر و شیر

قوی ہے قوت تاثیر سے دوائے طبیب
غنی قبول کی دولت سے ہے دعائے فقیر

قطعہ

شکست دل کو ترے یمن تندرستی سے
کرے درست اگر مومیائی تدبیر

تو موے کاسۂ چینی کو چارہ ساز قضا
نکالے کاسۂ چینی سے مثل موئے خمیر

کھجائے سر جو کبھی مفسدان سرکش کا
علاج خارش سر ہو بناخن شمشیر

بنا ہے نقش شفا خانۂ ہزار شفا
ہر ایک خانۂ تعویذ صاحب تکسیر

ہر ایک اسم عزیمت میں اسم اعظم ہے
ہر ایک نسخہ شفا میں ہے نسخۂ اکسیر

رہا نہ کوئی گرفتار رنج عالم میں
چھٹے جو تیرے تصدق میں مجرمان اسیر

شہا ہے دم سے ترے زندگانیٔ عالم
یہ تیرا دم ہے وہ اعجاز عیسوی تاثیر

مثال خضر تو اے رہنمائے ملت و دیں
جہاں میں پیر ہو ہر ہو کرامتوں سے پیر

تو وہ ہے حامی دنیا و دیں زمانے میں
کہ تجھ سے زیب ہے دنیا کو دین کو توقیر

کیا شہان سلف نے مسخر ایک جہاں
کئے ہیں تو نے شہنشاہ دو جہان تسخیر

سحر سے شام تلک زر فشاں ہے پنجۂ مہر ‏— نثار کرتا ہے ہر روز اک گنج خطیر
فلک پہ کرتا ہے ہر شب ادا جو سجدۂ شکر ‏— نشانِ سجدہ ہے زیبِ جبینِ ماہِ منیر
یہ روز و شب سے ترے ہے جواں جہانِ کہن ‏— کہے نہ کوئی دو شنبہ کو بھی جہاں میں پیر

قطعہ

حیات بخش جہاں تیرا مژدۂ صحت ‏— جو بخشے خلق کو عمرِ طویل و عیشِ کثیر
ہزاروں سال سرِ ہر صدی نکال کے دانت ‏— ہنسیں اجل پہ جوانوں کی طرح مردمِ پیر
جہاں کو یوں تری صحت کے ساتھ ہے صحت ‏— صحیح جیسے کہ قرآن ہو مع تفسیر
یہ وہ خوشی ہے کہ فربہ ہوں جس سے روز بروز ‏— ہلالِ نسبت و نہم کی طرح بدن سے حقیر
پڑھوں ثنا میں تری اب وہ مطلعِ روشن ‏— کہ جس کا مطلعِ خورشید بھی نہ ہووے نظیر

مطلعِ ثالث

شہنشاہا ہے وہ تیری روشنیٔ رائے منیر ‏— عقولِ عشرہ کے انوار جس کے عشرِ عشیر
جو ہو نہ تابعِ امرِ شاورُ وا فی الامر ‏— تو عقلِ کل کو کرے تو نہ ہرگز اپنا مشیر
جو ہیں نکات و معانی بشر کی فہم سے دور ‏— وہ تیرے ذہن میں موجود سب قلیل و کثیر
اگرچہ سہو کو کچھ دخل حافظہ میں تو یہ ‏— نہ اپنا یاد رہے احساں نہ اور کی تقصیر
جیا ہے گر متعلق تری نگاہ کے ساتھ ‏— تو ہے ضمیر کی جانب ترے صفا کی ضمیر
ترا تو سیئہ بھی یوں ہے داخلِ حسنات ‏— کہ جیسے صحبتِ اصحابِ کہف میں قطمیر
کرے ہے سلبِ تغیر کو ذاتِ حادث سے ‏— زمانہ عدل سے تیرے ہے اعتدال پذیر
مجال کیا کہ ترے عہد میں شرر کی طرح ‏— اٹھائیں سر کو شرارت سے سرکشانِ شریر
ہوا میں آ کے جو کرتا ہے سرکشی شعلہ ‏— تو چٹکیاں ہی لے آتش میں سے ہے آتشگیر
ترے نسق سے جو بالکل یہ ہے نہ خونریزی ‏— لڑائیوں میں کہیں پھوٹتی نہیں نکسیر
جو پہنچے جنگ سے دہ میں تیرا شورِ دینداری ‏— بلند نالۂ ناقوس سے بھی ہو تکبیر
کیا یہ کفر کو اسلام نے ترے معدوم ‏— کہ کوئی زلفِ بتاں پر نہ کر سکے تکفیر

جہاں میں چشم سیہ مست یار کا ہو یہ رنگ
جو میکشوں کو ترا احتساب دے تعزیر

پڑے گلے میں رسن خط سیہ سے اسکے
رہے مدام وہ گردش میں از پئے تشہیر

وہ برق قہر خدا تیری تیغ آتش دم
کہ جسکی آنچ ترے دشمنوں کو نار سعیر

جو ہے خدنگ کا تیرے نشانہ چشم حسود
تو ہے تفنگ کا تیری دل عدو نخچیر

ترے نہیب سے ہوں شکل فلس ماہی الگ
کریں نہ حلقۂ جوہر رفاقت شمشیر

جو تیر نکلے کماں سے تری وہ ہو جاوے
طلب میں جان عدو کی رواں قضا کا سفیر

قطعہ

ترے ہی خامۂ طغرا نگار میں یہ زور
جو کھینچے ایک روش خط منحنی وہ لکیر

تو اس سے ایسے ہوں اشکال ہندسے پیدا
مٹا دے دیکھ کے اقلیدس اپنی سب تحریر

وہ روشنی ترے خط میں کہ ابن مقلہ اگر ق
لگائے آنکھوں سے سرمے کی جا تری تحریر

تو ہو یہ نور بصارت کہ پڑھ لے حرف بحرف
جو ہو وے لوح جبیں پر نوشتۂ تقدیر

رقم میں گر ترے اوصاف کے قصور کرے
زبان خامۂ عطارد کی آگ میں دے تیر

ترا سمند ہے وہ تیز رو کہ وقت خرام ق
نظر ہو دیدۂ تیز رفتاری بھی نہ اُس کا نظیر

کہ سیر گاہ دو عالم ہے راہ اک روزہ
اور اُسکا شرق سے تا غرب عرصہ گاہ مسیر

ترے جو فیل کی تعریف خسروا لکھوں
کروں حکایت شیرین و کوہکن تحریر

کہ فیل کوہ کچک تیشہ فیلباں فرہاد
وہ دونوں دانت صفا ایک ایک جوئے شیر

چلے نہ اشرفی آفتاب عالم میں ق
خط شعاع سے اسپر جو یہ نہ ہو تحریر

ابو ظفر شہ والا گہر بہادر شاہ
سراج دین نبی سایۂ خدائے قدیر

شہ بلند نگہ شہریار والا جاہ
خدیو مہر کلہ خسرو سپہر سریر

جہاں مسخر و عالم مطیع و خلق مطاع
فلک مؤید و اختر معین و بخت نصیر

زمیں ہو سبز جو تیرے سحاب بخشش سے
تو بوٹی بوٹی سے ہر خاک کی بنے اکسیر

بچشم مہر اگر تیرا نیر اقبال ق
کرے نگاہ سراب ہو وے آب غدیر

تو فلس فلس سے ہوا ہیوں کے وقت شکار
نگین دست سلیماں بدست ماہی گیر

نہ ہے ثنا کے لئے تیرے اختتام و تمام
نہ ہے دعا کے لئے تیری انتہا و اخیر

مگر یہ ذوق ثنا سنج و مدح خواں تیرا
غلام پیر کہن سال اک فقیر حقیر

کرے ہے دل سے دعا یہ سدا فقیرانہ
سنا ہے جیسے کہ رحم خدا دعائے فقیر

الٰہی آب پہ تا ہو زمیں زمیں کو ثبات
زمیں پہ تا ہو فلک اور فلک کو ہو تدویر

فلک پہ چھوڑے نہ تا دامن مسیح حیات
زمیں پہ خضر کی تا ہو فنا نہ دامنگیر

عطا کرے تجھے عالم میں تا در قیوم
بجاہ و دولت و اقبال و عزت و توقیر

تن قوی و مزاج صحیح و عمر طویل
سپاہ وافر و ملک وسیع و گنج خطیر

قصیدۂ چہارم

ہیں مرے آبلۂ دل کے تماشا گوہر
اک گہر ٹوٹے تو ہوں کتنے ہی پیدا گوہر

نظر خلق سے چھپ سکتے نہیں اہل صفا
تہ دریا سے بھی جا ڈھونڈھ نکالا گوہر

رزق تو در خور خواہش ہے پہنچتا سب کو
مرغ کو دانہ ملا ہنس نے پایا گوہر

پاک دنیا سے ہیں دنیا میں ہیں گو پاک سرشت
غرق ہے آب میں پر تر نہیں اصلاً گوہر

ہے دل صاف کو عزلت میں بھی گرد فنے غبار
گرد آلود یتیمی ہوا تنہا گوہر

کور باطن کو ہو کیا جوہر دانش کی شناخت
کہ پرکھتا نہیں جز دیدۂ بینا گوہر

غیر پر بار یہ کم مایہ سے ہو ضبط ہوس
بہ گیا ژالہ ہوا لگ کے نہ پگھلا گوہر

جوہر خوب کو درکار ہے آرائش خوب
خوب تو آب کی خوبی سے ہے ٹھہرا گوہر

سرکشی کرتے ہیں بے مغز نہ پر مغز و قار
جز حباب آب سے سر کھینچے نہ بالا گوہر

ربط ناچیز سے کرتے ہیں کوئی پاک نہاد
ہو نہ ہم صحبت تار رگ خارا گوہر

دلخراش اور ہے طاقت دہ دل ہے کچھ اور
گر نہ گوہر کبھی ہیرا ہو نہ ہیرا گوہر

فیض کو عالم بالا کی ہے شرط استعداد
قطرہ یکجا ہے طباشیر ہے یک جا گوہر

صدق اور کذب پہ ہر نکتہ کی ہے شرط نظر
کور کیا جانے یہ سچا ہے کہ جھوٹا گوہر

صاف باطن کی ہو جب قدر کہ ظاہر ہو درست
موتی بھی ٹوٹ گیا صاف جو ٹوٹا گوہر

ہوتی غربت میں اگر قدر نہ خوش جوہر کی
تو کبھی کان سے باہر نہ نکلتا گوہر

خلش خار جنوں سے ہے پروتا کیا کیا
ہر قدم پر قدم آبلہ فرسا گوہر

دل عاشق میں کرے کیونکہ نہ آنسو سوراخ
اسی الماس سے جاتا ہے یہ بیدھا گوہر

ذوق موقوف کر انداز غزل خوانی کو
ڈھونڈھ اس بحر میں ہاتھ کوئی اچھا گوہر

غوطہ دریائے سخن میں ہے لگانا بہتر
آگے تقدیر سے خر مہرہ ملے یا گوہر

اثر مدح سے اس خسرو دریا دل کے
گر سخن قابل گوش دل دانا گوہر

وہ بہادر شہ غازی کہ برنگ نیساں
روز برسائے ہے ابر کرم اس کا گوہر

جشن سے اس کے ہے اک فیض کا دریا جاری
بہتے پھرتے ہیں برنگ کف دریا گوہر

زیور آرا ہوں اگر آج چمن میں گل و سرو
بیضۂ قمری و بلبل ہوں عجب کیا گوہر

پہنچے گر گوش صدف تک یہ نوید عشرت
اتنا بالیدہ بخود ہو کہ ہو مینا گوہر

کہتا ہے قطرۂ نیساں بھی کہ اس دور میں کاش
ہوتا میں دانۂ انگور نہ ہوتا گوہر

چادر دل آب میں کثرت سے حبابوں کے بھرے
ٹانک ہیں مثل بت خویشتن آرا گوہر

ٹوٹتا ہے کشمکش عیش سے جو صبح کا ہار
بکھرتے شبنم سے ہیں گلزار میں کیا کیا گوہر

گل شگفتہ میں یہ قطرۂ باراں سے بہار
بھر دئے درج میں یاقوت میں گویا گوہر

موج گوہر میں بھی ہے طرز تبسم پیدا
کوئی دم میں روش غنچہ ہنسے گا گوہر

رخ گلرنگ پہ ساقی کے عرق کا قطرہ
کیا تماشا ہے کہ بنجائے ہے مونگا گوہر

قطرۂ آب لطافت سے ہے ٹپکا پڑتا
گوش خوبان سمن بر میں مصفا گوہر

مدح حاضر میں کروں میں کوئی مطلع تحریر
آج ہے خامہ مرا منہ سے اگلتا گوہر

مطلع ثانی

آج وہ دن ہے کہ اے خسرو والا گوہر
کوہ دے نذر تجھے لعل تو دریا گوہر

بحر و بر میں ہے تنہا تیرے بہائے نثار
سیم سے زر تلک اور لعل سے لے تا گوہر

ہو ترے فیض قدم سے جو زمیں گوہر خیز — ہو نصیبِ صدف نقش کفِ پا گوہر
مشتری کہتے ہیں جسکو وہ اٹھا لایا چرخ — ٹوٹ کر جو ترے دامن سے گرا تھا گوہر
صبح اقبال و سعادت کا ستارہ چمکا — جو ترا طرۂ دستار کا چمکا گوہر
تیرا آویزۂ سرپیچ کا اے قبلۂ خلق — صاف قندیل در مسجد اقصا گوہر
طلبِ خلق میں ہے سینہ ترا آئینہ — عدنِ علم میں ہے قلبِ مصفا گوہر
پرورش دیوے چمن کو جو ترا ابرِ کرم — موتیا میں عوض غنچہ ہو پیدا گوہر
ماہ گہنے کے لئے ہے نہ کہ گہنے کے لئے — تیرے گہنے کا کہوں کیا ہے زیبا گوہر
دُرفشانی سے تری اتنے گہر ہیں ارزاں — لکھتے ہیں نسخۂ مفلس میں اطبا گوہر

قطعہ

عکس سے نیّر اقبال کے دریا میں ترے — اے محیطِ کرم و جود کے یکتا گوہر
آبِ گوہر کو ترا آب یہ اعجاز نما — کفِ دریا کو بنائے ید بیضا گوہر
کوہ کا زہرہ کرے آب تری ہیبتِ عدل — گر یہ سُن پائے کہیں سنگ نے توڑا گوہر
طبع نازک پہ تری بار گہر ہو جو گراں — پوستِ بیضۂ ماہی سے ہو ہلکا گوہر
آبِ دریائے کرم سے جو ہو تیرے سیراب — ابرِ مردہ سے برسنے لگیں کیا کیا گوہر
آج محفل میں تری وہ گہرافشانی ہے — لگن شمع میں ہیں آنسوؤں کی جا گوہر
دستِ فراش میں جاروب ہے ریشِ فرعون — فرش پہ تیلیوں میں الجھے جو صدہا گوہر
تیرے دورانِ حفاظت میں کہاں رنج و گزند — حق میں بیمار کے تبخالہ ہو لب کا گوہر
افعیِ زلف کے کاٹے کو ہے جوں مہرۂ مار — گردشِ خوباں میں نہیں زلفِ سمن سا گوہر
سینہ صافی کا ترے ایک ہے نقشہ دریا — دل روشن کا ترے ایک نمونہ گوہر
نقرئی خنگ ترا ایسا ہے برنگ شفاف — رو بہ رو جس کی صفائی کے ہو میلا گوہر
غرق دریائے جواہر میں ہے وہ کوہ گراں — کہ ہے مہندی کی جگہ لعل لپیٹا گوہر
پیل تیرا ہے بلندی میں فلک سے افزوں — جھول میں جسکی ہیں انجم سے زیادہ گوہر

لیکے خرطوم میں جو آب ہو وہ قطرہ فشاں
دیوے جوں ابر بہاراں ابھی برسا گوہر

ہے ترے قطرۂ پیکاں سے دم بارش تیر
جگر چاک عدو میں صدف آسا گوہر

تیرا نیزہ ہے وہ طائر کہ عوض دانہ کے
مہرۂ پشت سے دشمن کی ہے چگتا گوہر

شعلۂ برق غضب سے ترے شاہا تو آپ
مثل مریخ ہر اک سرخ ستارا گوہر

مہر واروں میں ترے ایک ہے ناچیز عقیق
آبداروں میں ترے ایک ہے ادنا گوہر

گرچہ گردوں کی طرح ہے وہ با واز مہیب
جوہری جس کو کہ بتلائے ہے گرجا گوہر

ہو ترا کلک کرم جب کہ شہا گوہر بار
جیم محتاج کے دہن میں ہو نقطا گوہر

نقطۂ قاف قلم سے جو ہو تیرے ہمسر
قاف تا قاف سے ہو بیضۂ عنقا گوہر

سینہ صافی سے ترے ہوئے صفا ایسی عام
دل کافر میں بھی ہو خال سویدا گوہر

ہو جو روشن گہر عالم ترا نور دانش
موئے چینی میں پرویا کرے اعمٰی گوہر

خسروا میں جو کہوں سب ترے اوصاف نکو
تو سدا منھ سے مرے پھول جھڑیں یا گوہر

ذوق کرتا ہے دعائیہ پر اب ختم سخن
تا کہ ہو سنگ سے لعل آب سے پیدا گوہر

تار ہے پنجۂ خورشید پہ ہر روز طلا
تا گرہ میں رکھے شب عقد ثریا گوہر

دانۂ انجم گردوں سے پروئے جب تک
رشتۂ کاہکشاں میں شب یلدا گوہر

جب تلک جوش بہاراں سے ہو لائے دم صبح
ٹانکے شبنم سے سر دامن صحرا گوہر

ہر برس جشن ترا تجھ کو مبارک ہوئے
برسیں نیساں کرم سے ترے شاہا گوہر

دوستوں کو ہو ترے گنج گہر روز نصیب
ہو نہ جز اشک سر دامن اعدا گوہر

قصیدۂ پنجم

ہے وہ جاں دارو مے نافع اعضا و حواس
کہ دل مردہ ہو زندہ تن بے حس حساس

قطرۂ مے سے ترقی حواس خمسہ
یوں ہو جسطرح کہ اک نقطے سے ہوں پانچ پچاس

ہوئے اس روغن کبریت سے مثل زر سرخ
رنگ رخسار جو کلفت سے ہو ہمرنگ نحاس

خشک مغزوں کو جو ہو بوئے گلاب اس کی بو
تر دماغ اتنا ہو دم لینے نہ دے نزلۂ عطاس

قلب ماہیت اگر اس سے نہ بالکل ہو تو کیوں — قلب انساں میں تہور سے مبدل ہو ہراس
اسکی دولت سے عجب کیا دل مفلس ہو غنی — کہ یہ ہے شربت دینار علاج افلاس
دیوے ساقی جسے اک جام وہ دعوے سے کہے — آج جو پاس ہے میرے نہیں جمشید کے پاس
اللہ اللہ رے تری مستی و بالا دستی — شب کے مست کہ کریں گردوں سے مساس
سلسبیل آکے اگر خلد سے ہو آب سبیل — کہے مے نوش کہ بجھتی ہے کوئی اس سے پیاس
زندگانی سے ہے مقصود شراب و ساقی — اور باقی تو ہے سب وہم و خیال و وسواس
زندگی چند نفس ہے کہو ساقی سے کہ تو — پاس کر عیش کا کیا کرتا ہے پاس انفاس
بیٹھ گوشے میں نہ تو چھوڑ کے اس جلسے کو — دیکھ رندانِ خرابات نشیں کا اجلاس
مے نہیں برقع مینا میں مگر جلوہ فروز — کوئی خورشید لقا ہے شفقی رنگ لباس
اے خنک دل کبھی تو اس سے ہو سرگرم نشاط — غم کو جا دل میں نہ دے جیو نہ رکھ اپنے اداس
دل جو گھر غم کا ہو گیا اسمیں ہو سرمایۂ عیش — وہ مثل ہے کہ کہاں گھونسلے میں چیل کے ماس
دل پر وسوسہ کی ہوتی ہے مے سے دوا شد — کھلتا ہے ہاتھ سے ساقی کے یہ قفل وسواس
میں یہ کہتا ہی تھا جو دل نے مرے مجھ سے کہا — توبہ کر توبہ۔ نہ کر اتنی زیادہ بکواس
ایسی مردار ہے افعال کا تو نام نہ لے — حامی شرع ہے وہ بادشہ پاک انفاس
شاہ دیندار بہادر شہ غازی جس نے — ثانیہ توبہ و تقویٰ تو کیا محکم اساس
دور میں اس کے ہو گر مرتکب مے کوئی — کرے ہر قطرہ کلیجے میں خراش مثل الماس
مے اگر آب بقا بھی ہو تو ہو وہ زہر آب — جسکے پینے سے ہو جینے ہی سے میخوار کو یاس
دھووے اس عہد میں گر زخم کو مے سے جراح — تو رہے حشر تلک سوزش و درد و آماس
کہتے اس آب شر انگیز کو ہیں آج بشر — کہ یہ روغن ہے سر آتش شر خنّاس
تا نہ باقی رہے مے اور نہ مے میں مستی — توڑنا سنگ نمک سے ہو وہ شیشے کا گلاس
احتساب اسکا جو دے سنگ بہ شیشے کو تپاک — تو صدا ہو نہ بلند اس سے بجز حمد و سپاس
مدح حاضر ہیں ہیچ ہوں اسکی کوئی مطلع ہیں — کہ سخن فہم و سخنور کا ہے وہ قدر شناس

مطلع ثانی

نطق شیریں وہ ترا شہد کہ ہر درد کو راس — شان میں جس کی شہا فیہ شفاء للناس
ہندوِ زلف کی ہے پاس سد مصحف رخ — عہد میں تیرے ہے کافر کو بھی اسلام کا پاس
مومیائی ہو حمایت تری حق میں اسکے — سخت گیری سے فلک توڑے کسی کی گر آس
بوٹی اکسیر کی اور پارس اگر ہاتھ آئے — بل بے ہمت ترے نزدیک یہ پتھر ہو وہ گھاس
چمن دہر میں نرگس بھی تری بخشش سے — رکھتی اک کاسۂ زریں ہے اور اک سیمیں طاس
کیا عجب فیض سے گر ابر کرم کے تیرے — بید مجنوں میں ہو پیدا ثمر سیب و گلاس
تیری شمشیر کے آگے نہیں رکھتے ہرگز — مغربی تیغ مہ نو کی شہا زہرہ ہراس
فیض تعلیم سے تیرے ہو جو منکر انساں — احمق الناس اسے جانیے بلکہ نسناس
لوح تقدیر کے لکھے کو پڑھے حرف بحرف — تربیت سے تری امّی بھی ہو یہ حرف شناس
یوں ترا حاسد پر عیب ہے عالم میں حقیر — اسپ بدفال کوئی جیسے میان نخاس
دیکھے آہو کو جو ضیغم تو وہیں عدل ترا — ڈھانک دے آنکھوں کو اسکی پردش کا ڈھراس
رہے خورشید کے طالع کہ شعاع خورشید — دم تیزیں ترے گھوڑے پہ لگے جائے قطاس
ایسا چالاک کہ اس طرح سے اڑ جاتا ہے — جس طرح عاشق دل باختہ کے ہوش و حواس
پہنچے اس رخش فلک سیر زمیں پیما کو — نہ منجّم کا خیال اور نہ مہندس کا قیاس
تیرا ہاتھی ہے فلک کا کہکشاں ہے خرطوم — کان ہیں دونوں مہ و خور دم ہو ذنب سر ہے راس
ذنب و راس وہ جنسے ہوں سیہ بخت عدو — ماہ و خور وہ کہ ہوا خواہ ہوں روشن انفاس
رنگ ہاتھی کا سیہ اور وہ دانت اسکے سفید — کہتا ہے دیکھ کے یہ ظلمت و نور اپنا قیاس
طرفہ صنعت سے لپٹتا ہے شب یلدا اسنے — صفحۂ صبح منور کو مثال قرطاس
ختم کرتا ہے سخن ذوق دعا پر اس طرح — تا ہوں دریا میں گہر کان میں پیدا الماس
توشۂ بحر و برائے شہ سکندر فر ہو — دے خدا تم خضر تجھ کو حیات الیاس
عید ہر سال ہو فرخ تجھے با عیش و نشاط — تو ہمیشہ رہے خوش اور ترا بدخواہ اداس

قصیدہ ششم

ایک خورشید لقا طرفہ جوانِ ارشق — تابِ رخسار قلق سُرخیِ رخسار شفق
وہ جبیں ماہ مبیں اسپہ خطا چینِ جبیں — تھی وہ انگشت نمی جسنے کیا ماہ کو شق
کرے دو ٹکڑے جگر کھینچ کے ابرو تلوار — باندھ کر کھینچ کے دل زلف مسلسل کی ربق
تیر انداز جو مژگاں تو ادا دشنہ گزار — چشم ابلق تو نگہ ترک سوار ابلق
غمزہ و ناز و کرشمہ وہ بلا غارت گر — کہ نہ چھوڑیں تنِ عشاق میں جاں ایک رمق
سرو قامت سمن اندام گلستاں رخسار — ہونٹھ گلبرگ دہن غنچہ و بینی زنبق
سرو قامت سے اگر اُسکے ہو طوبیٰ سرکش — راست ہاں راست ہو یہ کہ طویل احمق
شکر آمیختہ بادامِ مقشر دنداں — سیبِ فردوس زنخداں لبِ خنداں فستق
کھلنا اس کے دہنِ تنگ کا ایسا مشکل — جیسے دشوار ہو مفہوم کلامِ مغلق
مصحفِ روئے کتابی کو جو دیکھو اس کے — تو کہیں صورتِ اخلاص نہ پاؤ مطلق
لوحِ رنگیں سے نہ زیبا ہو بیاضِ گردن — تا کہ ہو سرخیِ شنجرف نہ خونِ ناحق
دست و بازو وہ برودوش عجب صبحِ بہار — پنجہ وہ پنجۂ خورشید وہ حنا رنگ شفق
سینہ تا ناف صفا آبِ گہر کا دریا — ناف اک عکسِ ذقن آہیں بجائے زورق
نازک ایسی کمر اس کی کہ سمجھنا مشکل — جسطرح شعرِ خیالی میں ہوں معنی ادق
ہے گراں اسپہ نزاکت سے نہ باندھے ہرگز — گر ہو تارِ نظرِ دیدۂ عنقا منطق
اس کا زانو وہ مصفا کہ اگر دیکھے اُسے — آئنہ آپ خجالت میں رہے مستغرق
کیا کہوں ساقِ بلوریں کی صفائی اُس کی — شمع گر دیکھے اسے شرم سے آجائے عرق
قد جو گلبن تو وہ پاؤں کے حنائی ناخن — نیچے گلبن کے پڑے بکھرے ہوئے گل کے ورق
آکے بالیں پہ وہ طناز سراپا انداز — مجھ سے یہ کہنے لگا کیوں ہے تو غمگیں ناحق
مژدۂ عید سے ہے گلشنِ عالم میں بہار — نغمۂ عیش سے ہے بزمِ جہاں میں رونق
دوش پر سروِ لبِ جو کی ہے اک سبز قبا — بر بدن لالہ کے بھی گلشن میں ہے گلگوں یلق

جوشِ سبزہ سے ہے وہ فرشِ سرِ صحنِ چمن　　کوئی مخمل اسے کہتا ہے کوئی استبرق
باغِ عالم میں ہے یہ جوشِ بہارِ عشرت　　ٹپکے ہے نخل سے مستی ہیں ہلیلہ راوق
تو بھی کر تہنیتِ عید کا اس کے ساماں　　کہ وہ ہے خسروِ دیں حامیِ دینِ برحق
وہ بہادر شہِ غازی کہ دمِ معرکہ ہوں　　اُسکے تیروں کے ہدف اسکے حسودوں کے عدق
مدح اُسکی ہے مناسب تجھے بلکہ انسب　　یعنی توصیف کے لائق ہے وہ بلکہ الیق
سُن کے میں نے یہ لکھا مدح میں اسکی مطلع　　جس پہ احسنت کہیں مجھ کو لبید و عمق

مطلع ثانی

تو وہ ہے نائبِ ختمِ رُسل اے سایۂ حق　　کہ ترے سائے میں ہے گلشنِ دیں کو رونق

مطلع ثالث

ابرِ رحمت کا ہے سایہ ترا اے سایۂ حق　　کیونکہ سائے میں ترے ہو نہ جہاں کو رونق
کسکا مقدور کہ سرتاب ترے حکم سے ہو　　جو ترا امر ہے الحق جو کہے تو صدق
ذکرِ حق سے کوئی خالی نہیں تیرا ہے وہ دور　　کرتا میخانے میں ہے شیشۂ مے بھی حق حق
گر کرے نشو و نما نامیہ فیض ترا　　گل جو ہو شمع سے پیدا تو گلاب اور زنبق
حرف ہیبت کا ترے کوئی زباں پر آیا　　ہو گئی وقتِ کتابت جو زبانِ خامہ کی شق
نطقِ شیریں سے ترے ہوئے حلاوت گر عام　　کام میں خلق کے بورا ہو بجائے بورق
ناتوانوں کو جو دے زورِ حمایت تیری　　مارے لات اُڑ کے سرِ پیلِ دماں بچۂ بق
کہتے ہیں برق جہاں جسکو وہ ہے اک ادنیٰ　　توپخانے میں ترے توپ پہ زریں بیرق
گو تھی جس پہ کرے کاہکشاں کی بھی کمند　　وہ تری ہمتِ عالی کا ہے عالی جوسق
قطرہ افشاں ہو اگر تیرا سحابِ ہمت　　بوٹی اکسیر کی پیدا ہو بجائے سرمق
کرتا ادنیٰ کو جو اعلیٰ نہ ترا منصوبہ　　پاتا شطرنج میں فرزیں کا نہ رتبہ بیدق

کرتا اک جست میں ہے ماہیِ گردوں کا شکار
طائرِ تیر ہوائی ترا مثلِ لقلق

قطعہ

اے شہِ دادگرِ خسروِ انصاف پرست — اللہ اللہ ری عدالت کا تری نظم و نسق
اتنا عالم میں حذر خوں سے ہے خونخواروں کو — خونِ فاسد کو بھی ہرگز نہ کرے نوش علق
پرتو افگن ہو اگر روشنیٔ طبع تری — ابرق آئینہ ہو اور سنگ سیہ ہو ابرق
مشتری بھی تری شطرنج کا اک مہرہ ہے — آفتاب ایک ترے گنجفے کا گر ہے ورق
ابر ہے گرچہ مثالِ سمندِ نم دیدہ ق — گر تری برقِ غضب جھاڑ دے اس پر چقمق
تو شتابی سے بھی جل اٹھے زیادہ وہ شتاب — آگ لگ جانے میں دیر اسکے نہووے مطلق
تیرے توسن میں وہ جلدی کہ اگر چھیڑ دے تو — یوں وہ اڑ جائے کہ جیسے سرِ آتش زیبق
شمس کو پہنچے تری لائے سے یوں شرق میں نور ق — تو ہو مغرب میں گر اُسے پرتوِ نورِ مطلق
جس طرح روشنیٔ قلب سے اہلِ اشراق — عرصۂ دور سے شاگرد کو دیتے ہیں سبق
ذوق کرتا ہے ثنا ختم دعا پر اس طرح — تا کہ ہوں ارض و سما دونوں طبق زیرِ طبق
ہووے ہر سال مبارک تجھے عیدِ رمضان — اور دشمن کو رہے تیرے سدا رنج و قلق

قصیدہ

ہے آج جو یوں خوشنما نورِ سحر رنگِ شفق — پرتو ہے کس خورشید کا نورِ سحر رنگِ شفق
یہ جوشِ نسرین و سمن یہ لالہ و گل کا چمن — گلشن میں گویا چھا گیا نورِ سحر رنگِ شفق
ہر سرو قد غنچہ دہن زیبِ چمن شانِ چمن — ہر سیمبر گلگوں قبا نورِ سحر رنگِ شفق
افشاں جبیں بر سر سہر مہتاب و انجم جلوہ گر — اور گورے ہاتھوں میں حنا نورِ سحر رنگِ شفق
لب پر تبسم ہے کہ ہے جوشِ بہار و موجِ گل — دندان پان خوردہ ہیں یا نورِ سحر رنگِ شفق
ہر مجمعِ پیر و جواں اک طرفہ مشرق ہے کہ واں — روشن دل و رنگیں ادا نورِ سحر رنگِ شفق
جامِ بلوریں میں بھری یوں عکسِ شرابِ لالہ گوں — ہو جیسے کیفیت فزا نورِ سحر رنگِ شفق
حسنِ گلِ مہتاب نے جوشِ گلِ سیراب نے — کیا باغ میں چمکا دیا نورِ سحر رنگِ شفق
دیکھے چمن میں برگِ گل آ کو ذرہ شبنم جو گل — خجلت سے پانی ہو گیا نورِ سحر رنگِ شفق

ہے شوق کو بالیدگی ہے ربط کو چسپیدگی　　کس رنگ ہوں ملکر جدا نورِ سحر رنگ شفق
ساقی مے عشرت سے بھر ساغر کہ ہے اس رنگ پر　　آب و ہوا چاہئے فضا نورِ سحر رنگ شفق
جشنِ بہادر شاہ ہے روزِ علوِ جاہ ہے　　ہے اسلیئے بہجت فزا نورِ سحر رنگ شفق
وہ خسروِ روشن گہر جسکو خجل ہوں دیکھ کر　　ماہ و ثریا و سہا نورِ سحر رنگ شفق
اک تھا مطلع میں لکھوں او ثناسے رنگ دو ن　　ہو دیکھ کر غرقِ حیا نورِ سحر رنگ شفق

مطلع ثانی

روکش ہو تیرے رخ سے کیا نورِ سحر رنگ شفق　　ذرہ ہے تیرے فیض کا نورِ سحر رنگ شفق
اے آفتاب عز و شان تیری جبیں سے ہے عیاں　　نورِ یقیں رنگِ حیا نورِ سحر رنگ شفق
روشن بیانی سے تری رنگیں کلامی سے تری　　شرمندہ ہوتا ہے سدا نورِ سحر رنگ شفق
وہ سیکوں ایواں ترا وہ سائباں رنگیں کھنچا　　لیں وام اب جس سے صفا نورِ سحر رنگ شفق
فانوس شیشہ لعلگوں روشن تری محفل میں یوں　　گویا کہ شیشے مین بھرا نورِ سحر رنگ شفق
انصاف نے تیرے شہا سیماب و آتش کو کیا　　یوں جمع جیسے ایکجا نورِ سحر رنگ شفق
تیری امان و حفظ سے ہو جائے حق میں شمع کے　　نارِ خلیل آبِ بقا نورِ سحر رنگ شفق
خورشید تجھسے فیض کو تپہنچے تو مشرق میں نہو　　جز دُرّ و لعلِ بے بہا نورِ سحر رنگ شفق
جسپر کرو تم ہوئے غضب ہے اسکے حق میں کیا عجب　　سیلِ فنا برقِ بلا نورِ سحر رنگ شفق
شمشیر کی تیری چمک خونِ عدو سے یک بیک　　دکھلائے ہے روزِ وغا نورِ سحر رنگ شفق
پیکان تیر الماس گوں منہ سرخ سوفار نکلے یوں　　گویا لگا کر پر اُڑا نورِ سحر رنگ شفق
جلوہ ہے تیرے مہر کا شعلہ ہے تیرے قہر کا　　ہے جسکو عالم جانتا نورِ سحر رنگ شفق
اسپِ حنا بستہ ترا وہ نقرہ خنگِ بادپا　　غیرت سے جس کی اُڑ گیا نورِ سحر رنگ شفق
اب ذوق کی ہے یہ دعا جبتک رہے شاہنشہا　　خورشید و مہ از خود سا نورِ سحر رنگ شفق
جبتک لباس دہر کو صابون اور شنجرف ہو　　زینت دہ صبح و مسا نورِ سحر رنگ شفق
ہر جشن فرخ ہو تجھے اس طرح آب و تاب سے　　ہوں تیرے محتاج ضیا نورِ سحر رنگ شفق

شاہا زمانے میں ہو تو باآبرو اور سرخرو / ہو جلوہ گر مشرق سے تا نور سحر رنگ شفق
دشمن کا تیرے منہ ہو فق اور خوں بہے لگ کے ہو شق / دیکھے نہ وہ اسکے سوا نور سحر رنگ شفق

قصیدہ ہشتم

طرب افزا ہے وہ نوروز کا نارنجی رنگ / دیکھ کر بھاگ گئے جسے رنج ہزاروں فرسنگ
بل بے بالیدگی عیش کہ برگ گل پر / قطرہ شبنم کا ہے مینائے شراب گلرنگ
واہ کیا گلشن آفاق میں ہے جوش بہار / چہچہے کرنے لگے بلبل تصویر فرنگ
کلک نقاشی قدرت سے گلستاں میں ہے آج / تختۂ لالہ و گل صفحۂ نقش ارژنگ
خسروا تو نے کیا آج وہ جشن نوروز / دیکھ کر جسکے تجمل کو ہو جمشید بھی دنگ
ہے تری بزم طرب میں پئے رسم نوروز / صورت بیضۂ رنگیں فلک مینا رنگ
مشک افشاں ہو جہاں میں جو تری نکہت خلق / نافۂ آہوئے ختن سے نہ ہو کم داغ پلنگ
بلکہ ہو جوشش باران کرم سے تیرے / کیا عجب شاخ میں آہو کے گل زنگار رنگ
تیرے انصاف سے ہے بزم جہاں میں شاہا / شمع گلگیر سے اور شمع سے محفوظ پتنگ
ہو اگر شعلہ فشاں تیری اگر آتش قہر / تو سمندر رہے پانی میں بجائے خرچنگ

قطعہ

زیر ران تیرے ہے وہ توسن چالاک کہ تو / چھیڑ دے ایک ذرا اسکو جو وقت صف جنگ
یوں کرے جست کہ جیسے سر میدان نبرد / منہ سے اڑ جائے حریفوں کے ترے خوف سے رنگ
رکھتی سرعت ہے تپ لرزہ ہیبت سے ترے / نبض محموم کی مانند جبل میں رگ سنگ
مرغ دل کو ترے دشمن کے قفس ہے سینہ / اور جگہ چوب قفس کی ہے ترا تیر خدنگ
ہو وے حاسد کو نہ آزار رسیدہ سے شکست / تاکہ دارو نہ پیالے میں بھرے تیری تفنگ
منقسم و حاسد کیا نہ عدو کے سرکش / زیر شمشیر غضب تیرے ہوں پامال چو رنگ
آ نہیں سکتے بیاں میں ترے اوصاف تمام / ہوتا ہے قافیہ سنجوں کا یہاں قافیہ تنگ
کرتا اس نکتہ سے ہے ختم سخن دے کے دعا / ذوق جو ہے ترا مداح محبت یکرنگ

گلشن دہر میں ہر سال مبارک تجھ کو
جشن نوروز بہر رنگ بتاج و اورنگ

اور ترے حاسد بد بیں کو دکھائیں لاکھوں
خسروا روز نئے رنگ فلک کے نیرنگ

قصیدۂ نہم

حبذا ساقی فرخ رخ و خورشید جمال
مرحبا مطرب نادرہ فن و زہرہ خصال

بارک اللہ کہ درافشاں ہے نوائے ابر بہار
خیر مقدم کہ خراماں ہے ہوائے باد شمال

للہ الحمد لبالب ہے مئے عیش سے جام
شکر صد شکر گل سے ہے چمن مالا مال

جوش روئیدگی سبزہ سے ہو جائے گا سبز
گل زمین چمن حسن میں تا دانۂ خال

شرر تیشۂ فرہاد سے پیدا ہوئے گل
بل ہے جوش گل خود رو سر دامان جبال

جوش فوارہ ہے واں کثرت تار بارش
سر مجنوں کے تلے آلودہ جہاں گریے بال

کیا عجب رحمت باری سے کہ وقت باراں
ابر مردہ سے بھی ہو قطرہ فشاں آب زلال

معجز باد سے مانند عصائے موسیٰ
شجر خشک بھی ہو جائے تر و تازہ نہال

ذوق مستی سے ہی ہر طاؤس چمن میں رقاص
شوق آہنگ سے ہے سرو پہ قمری قوال

شور بلبل بھی یہ رکھتا ہے نمک آج کہ گل
بن گیا کثرت شبنم سے نمکداں کی مثال

دیتی ہے طاقت پرواز یہ کیفیت مے
اس ہوا میں ہے بط مے کہ اڑے دن بے پر و بال

ہے یہ وہ دور کہ ہر صوفی صافی مشرب
رقص مستاں میں ہے وجد کناں شامل حال

بے دموں کو ہو جو نے چارہ گر عیسیٰ دم
شمع مردہ کے رگ تار سے کھولیں قیفال

پتلیاں ناچتی ہیں چشم کے گھر میں بے ساز
جنبش دست مژہ دے ہے انداز سے تال

اللہ اللہ ری سرسبزی گلزار جہاں
آج یکرنگ ہے رنگ و روش خضر و بلال

ہوں قلم ہاتھ اگر کوئی لکھے خط غبار
صفحہ دہر پہ کیا دخل کہ ہو گرد ملال

روز جشن آج ہے اسکا کہ جسے کہتی ہے خلق
نائب ختم رسل ظل خدائے متعال

وہ بہادر شہ غازی کہ اگر تیغ اسکی
اپنی دکھلائے چمک چرخ پہ کٹ جائے ہلال

وہ نکوخوہی و نکو رائی و خجستہ منظر
وہ بلند اختر و فرخ روش و فرخ فال

وہ مسیحا دم و یوسف رخ و داؤد الحاں
وہ سلیماں وقر و موسیٰ کف و صالح اعمال

چمن خلق و نسیم کرم و ابر سخا
چشمۂ فضل و ہنر کان عطا بحر نوال

آسماں جاہ و عطارد قلم و مہر علم
مشتری دانش و مہ بینش و مریخ جلال

خسرو جم حشم و داور کسریٰ انصاف
شاہ دارا دل و سلطان سکندر اقبال

مدح حاضر میں پڑھوں اسکی وہ مطلع جس سے
ہمسری کی نہ رکھے مطلع خورشید مجال

مطلع ثانی

ہو تری اک نظر فیض سے ناقص کو کمال
مہر سے گر مہ کامل ہو وہ ہفتے میں ہلال

نیر جاہ ترا وہ جسے تا دور فلک
نہ کسوف و نہ غروب نہ ہبوط و نہ وبال

آگے بخشش کے تری بحر میں دُر یکدانہ
آگے ہمت کے تری کوہ طلا اک مثقال

ہووے جوں چادر مہتاب گلیم شب تار
رُخ پر نور سے جو تو پونچھ کے جھاڑے رومال

جام سے قطرہ جو ٹپکا تو معلق ہی رہا
تو
دستگیری نے لیا تیری جو گرتوں کو سنبھال

گر ترے قہر کی گرمی تپ محرق بن جائے
لب دریا پہ حبابوں کی جگہ ہوں تبخال

قوت ماسکہ ممسک کے قویٰ سے کم ہو
فیض جاری ہے ترے بخل کو یاں تک ہے زوال

حکمت آموز ترا علم جہاں ہو تو وہاں
نہ ارسطو کو ہو طاقت نہ فلاطوں کو مجال

ہو تری عقل سے عاجز وہ مبحث معقول
اک مقولہ میں فقط فعل کے عقل فعال

قطعہ

دم ہے کیا باد صبا ہیں کہ دم سیر جہاں
تیرے گلگوں سبک سیر کے جاوے دنبال

یوں ہی دو چار قدم خاک اڑا کر رہ جائے
اور تو پہنچ جائے کہیں سے وہ کہیں مثل خیال

ہے وہ ہیکل ہیں اگر دیکھو تو صورت میں پری
ہے اڑان اسمیں ملک کی تو بشر کی سی خصال

جلد اتنا کہ جہاں عرصۂ جولاں اُسکا
عہد مستقبل و ماضی کا وہاں ہے اک حال

زیب تن اسکے جو مہندی کا ہے ہر گل تصویر
پھرتا کاغذ میں ہے وہ صورت فانوس خیال

اس فلک سیر کو جولاں جو کرے تو تو یہ ڈر
مزرعۂ سبز فلک ہو نہ صبا دا پامال

تیرے ہاتھی کی بلندی کی طرف کی جو نگاہ — ق — سر پہ اندیشے نے لی ہاتھ سے دستار سنبھال
کہکشاں کو وہ فلک پر سے زمیں پر پھینکے — نیشکر راہ میں مانگیں اگر اس سے اطفال
جیسے ماتھے پہ بزرگوں کے ہو سجدے کا نشان — اسکی مستک پہ شہا جلوہ نمایوں ہے ڈھال
ہے جو اس فیل کی خرطوم سرافیل کا صور — آئے اعدا پہ قیامت سر میدان قتال
اُسکے دانت اسکے لئے ہیں دو شق تیر شہاب — ہے جن اعدا کو سر اوج شیاطیں کی مثال
آبداری میں تری تیغ کی ہے برق کی موج — ق — کیا تماشا ہے کہ ہے آب سے آتش سیال
تیری شمشیر کو ہے خون عدو روز مباح — یہ غلط تیسرے دن ہوتا ہے مردار حلال
طائر روح عدو کے لئے صیاد اجل — سبزہ تیغ میں جو ہے لگا رکھا ہے جال
طاقت دم زدن اس دور میں کس کو رہی — دیکھ کر نطق ترا اے شہ فرخندہ خصال
ہر ترا ذکر جو آتا ہے زباں پر تو نفس — لب پہ آجائے ہے سینے سے پئے استقبال
ہو قوی دست اگر زور حمایت سے تری — شیر سے پنجہ کرے پنجۂ مژگان غزال
تقویت دیوے اگر پاس حفاظت تیرا — شعلۂ شمع کو صرصر سے نہ ہو اضمحلال
ہے ترے عہد میں فتنے سے زمانہ خالی — فیلسوفی ہے فلکیوں کی خطا کہنا محال
آتش و آب میں ہے ربط ترے عدل سو ہے — ق — دیوے ہیزم کو جلا کر کوئی پانی میں جو ڈال
کاکل موج دخاں کے لئے اس کے دریا — لے تہ آب سے شانہ پر ماہی کا نکال
خبر جلسۂ عشرت ہے ترا جشن سپہر — ہے تماشا جس کا شہا غرۂ ماہ شوال
ہو رہی ہے حیرت کیفیت سے تیرے شاہا — روش غنچۂ تصویر زباں فتنہ میں لال
بس دعا ہی پہ فقط ختم سخن کرتا ہے — یہ جو ہے ذوق ثناخواں ترا اور مدح سگال
جشن ہر سال ترا ہووے مبارک تجھکو — رہے جبتک کہ زمانے میں حساب مہ و سال

قصیدہ دوم

لاتا نیرنگ سے ہے رنگ نئے چرخ محیل — واہ بگڑا ہے کچھ اس خم میں عجب رنگ سے نیل
ڈر زمانے سے وہ عیار ہے یہ ہوش ربا — لاکھ بے ہوشیوں سے جس کی بھری ہے زنبیل

ہے توکل کا احاطہ وہ عزیمت کا حصار
کہ بجز حفظ خدا جسکے نہ خندق نہ فصیل

گم ہوں ظاہر کی خرابی سے صفات اصلی
رنگ دیتا ہے چھپا جوہر شمشیر اصیل

پیش دشمن نہ گذر حق سے نہیں کو تیغ کو آنچ
بلکہ ہے آتش نمرود گلستان خلیل

ہوتے سیرت سے ہیں مردان دلاور ممتاز
ورنہ صورت میں تو کچھ کم نہیں شہباز سے چیل

نہیں بے قید علائق کسی عالم میں بزرگ
رسم تحریر میں بھی چھوٹے نہ زنجیر سے فیل

ہے تہ خاک بھی قاروں کو سفر حشر تلک
نہیں تا تحت ثریٰ منزل آرام بخیل

عید اک روز جہاں میں رمضاں ہو یکماہ
بعد ہے کثرت تکلیف کے یاں عیش قلیل

کشت سبز فلک دوں سے نہ رکھ چشم ثمر
خوشۂ فیض سے بے بہرہ ہے یہ مزرعۂ نیل

قابل انساں کی صحبت کے ہے انساں نہ ملک
بن گیا پیش نبیؑ صورت وحی جبریلؑ

جتنا خورشید تپے اتنی ہی بارش ہو سوا
ہو دے کیونکر تپش عشق نہ رحمت کی دلیل

عشق کھنچوائے ہے اک زار جفاکش سے بزور
بار صد کوہ الم بے عمل جر ثقیل

لگے تہ چرخ کو گر نالۂ عاشق کی ہوا
دم میں اجزائے دخانی کی طرح ہوں تحلیل

شمع کشتہ کے لئے ہے دم عیسیٰ آتش
سوزش عشق سے زندہ ہوں محبت کے قتیل

معتبر ہے جو کرے نالۂ دل درد اظہار
نالہ ہے دل کی زباں دل ہو مؤکل یہ وکیل

دل کے ہے ایک ورق میں وہ حقیقت ساری
جس کا اجمال قضا اور قدر ہے تفصیل

جی میں ہے اور ڈھونڈوں میں کوئی مطلع ایسا
گوہر مخزن معنی سے ہو جس کو تا دیل

مطلع ثانی

کنج حیرت میں کروں علم خموشی تحصیل
یہ عجب مدرسہ ہے جس میں نہ ہو قال نہ قیل

درس توحید سے لوں ایک شفا کا نسخہ
بحث میں علت و معلول کی ہے عقل علیل

جلوہ افروزی یک بدر دو جا ہے اسکو
شمع فانوس سمجھ خواہ چراغ قندیل

فکر بیہودہ میں کس واسطے ہے تو پابند
کچھ نکال اپنے لئے ذوق نکلنے کی سبیل

خواب غفلت سے ہو بیدار کہ آئی پیری
نہیں مہتاب یہ ہے روشنی صبح رحیل

عرصۂ عمر ہے وہ تار کھنچا اور ٹوٹا — کچھ اگر وقت معین کی طرف سے ہو نہ ڈھیل
وہی منزل ہے جہاں ٹھہرے حیاتِ گذراں — کہ پئے راہِ فنا کوئی نہ فرسخ ہے نہ میل
مشقِ اندوہ سے اک روز نہیں تو بیکار — تیرے ہفتے میں نہیں کوئی کبھی روزِ تعطیل
غمِ عصیاں ہے تو ہے رحمتِ غفار وسیع — فکرِ روزی ہے تو ہے رزق کا رزاق کفیل
ہے تمنائے زر و مال تو سب جائیگا چھوڑ — چھوڑ جانے کو تو کافی ہے فقط ذکرِ جمیل
پھر بہارِ چمن عمر میں دلگیر ہے کیوں — سیر کر سیر کہ ہے فرصتِ گلگشت قلیل
مژدۂ عید سے ہے دیکھ تو کیا رنگِ چمن — گل کی رنگیں ہے قبا غنچہ کی رنگیں مندیل
ہوئے آراستہ ہیں آج بدل کر پوشاک — فصل سے باغ تلک باغ سے لے تا بہ نخیل
نظر آتا ہے برنگِ لبِ ساغر جو ہلال — ٹپکا پڑتا ہے لبِ مست سے شوقِ تقبیل
گاہ ہے خم میں ہی گر شیشے میں کیا گیا پیسیر — رُوح کرتی ہے کسی مست کی قالب تبدیل
تہنیت خواں ہو تو آج اس شہِ دریا دل کا — جسکے نزدیک ہے ایک قطرہ سے کم قلزم و نیل
وہ بہادر شہ والا نسب و پاک گہر — خسروِ چرخِ سریر شہ خورشید اکلیل
ماہِ نو چشم زدن میں مہِ کامل ہو جائے — نظر بہر میں ہے اس کے وہ نور تکمیل
نورِ معنی ہے بہر شکل نتیجہ اُسکا — اللہ اللہ رے زہے شکل شہنشاہ تکمیل
مدح حاضر میں پڑھوں مطلع روشن ایسا — مطلعِ شمس کو بھی جسکے ہو واجب تبجیل

مطلع ثالث

ہے شاہان سلف کے تجھے یوں ہے تفضیل — جیسے قرآں ہیں توریت و زبور و انجیل
تو ہے اس طرح سے عزت دہ اولاد تمر — جیسے موسیٰ شرف افزائے بنی اسرائیل
نور افزائے بصارت ہو اگر تیرا جمال — آئیں آنکھوں سے نظر معنئے اللہ جمیل
روئے نیکو پہ ہے مائل تری خوئے نیکو — کہوں کیونکر نہ کہ الحسن الی الحسن یمیل
ہے جو انسان کے قالب میں ترا نور ظہور — برج خاکی میں ہے خورشید فلک کی تحویل
دانش آموز ہو گر تربیتِ عام تری — بید مجنوں کو بنا دے ابھی انسان عقیل

جوہر تیغ اجل ایک ترے حکم کی نقل
تیر حکمی قضا حکم کی تیرے تعمیل

عہد میں تیرے جو ہو راہ تعدی مسدود
کھلے فعل متعدی سے نہ باب تفعیل

تشنۂ ذوق حلاوت ہوں نہ کیونکر سیراب
تیری شیریں سخنی ہے انہیں شربت کی سبیل

نکتہ چینوں کے لئے نکتۂ برجستہ ترا
قابض طبع رواں ہے روش دانۂ ہیل

جب ہو مرغان ہوا تیرے نشان بندوق
نسر طائر کو بھی تو سمجھے اک اڑتی ہوئی چیل

مہرۂ پشت عدو میں ترا تیر صف دوز
رشتۂ مہرۂ تسبیح کے مانند فتیل

طائر روح عدو کے لئے بہر پرواز
تیر کی تیرے صدا جیسے کبوتر کو زفیل

قطعہ

وہ قیامت ہے تری فوج کہ شور محشر
دم نہ مارے کبھی سن پائے جو گھوڑوں کی صہیل

نالۂ بوق کی ہیبت سے رکھے پھونک کے پاؤں
کوچۂ صور سے گذرے جو دم اسرافیل

دوں ترے گھوڑے کو کیونکر میں پری سے تشبیہ
نہ یہ صورت نہ یہ رفتار نہ یہ ڈول نہ ڈیل

گرم جولاں وہ کہاں ہو کے جسکے ہے وسعت
نہ تو میدان تصور نہ فضائے تخییل

عرصۂ معرکہ میں گر تجھے اے شاہ سوار
اس سبک سیر سے منظور ہو کار تعجیل

اڑے یوں جیسے ہوا سم بھی پانی سے ہو نہ تر
نہ یہ پروا اسے ہے راہ میں تالاب کہ جھیل

کوہ البرز کو سائے میں دبائے اپنے ق
ہے وہ اے شاہ فلک رتبہ تری رفعت فیل

حملہ آور ہو وہ جس دم تو پڑے جان عدو
اسکی خرطوم ہو دست کشش عزرائیل

تو جو محراب عماری میں ہوا جلوہ نما
اسکے دانتوں میں یہ خرطوم ہے سوئی کی تشکیل

خانۂ قوس میں خورشید جہاں تاب آیا
دن ہی کوتاہ ہوئے اور ہوئی رات طویل

عدل نے تیرے کیا روئے زمیں کو گلزار
آجتک عدل میں تیرا نہ ہوا کوئی عدیل

نہیں یہ جوش گل و لالہ نکل آیا ہے
داد خواہی کیلئے خاک سے خون ہابیل

واسطے دیدۂ بدبیں کے ہے یہ عین صلاح
ہو تری نوک سناں سرمہ کوہی کی جو میل

تیر برسائے عدو پر جو کماندار قضا
کم نہ فوارے سے ہو تیر دنگے اسکی قندیل

رہزنِ نطفۂ بدخواہ ہوا دل ہی قضا | آ سکے پشت پدر سے نہ کبھی تا احلیل
محکمے میں ترے انصاف کے ہوں ہاتھ قلم | دے اگر کھول کے بھی کوئی سرِ حرف کو ڈھیل
ذوق کرتا ہے سخن تیری دعا پر کوتاہ | ہو گراں خاطرِ نازک پہ مبادا تطویل
عید ہر سال ہو فرخ تجھے با جاہ و جلال | ہوں قوی پایہ ترے دوست بصد رجابیل
جو ضلالت سے ہوں گمراہ وہ لے ظلِ خدا | ذلِ اقدام سے ہوں خاکِ مذلت پہ ذلیل

قطعہ در مدح میرزا شاہرخ بہادر

میرزا شاہرخ بہادر نے | قصدِ صید افگنی کیا جس دم
خونِ نخچیر سے ہوا سارا | دامنِ دشت لالہ زارِ ارم
نہ بچا اس شکار افگن سے | صید کوئی سوائے صیدِ حرم
مرغ و سیمرغ اور غزال و پلنگ | ہوئے مسکن پذیر دشتِ عدم
ہے جگر گوشۂ بہادر شاہ | ہو بہادر نہ کیوں وہ نیک شیم
سمجھے شیر آپ کو ہزار غنیم | اس کے پر سامنے ہے مثلِ غنم
شیرِ گردوں بھی آ کے لشکر میں | پا سکے ہرگز نہ قدرِ شیرِ علم
رہے مانندِ شیرِ قالیں کے | اوجِ ہمت سے آ کے زیرِ قدم
ہاتھ میں جب تفنگ لی آ کے | ہمسرِ اژدہا ہے آتش دم
کئی شیرِ ژیاں شکار کئے | اس غضنفر شکار نے پیہم
ہے بجا گر دلاورانِ جہاں | کھائیں اس کی دلاوری کی قسم
جبکہ اس جرأت و شجاعت کو | چاہا اس طرح دل نے کیجے رقم
تا رہے یادگار عالم میں | وصفِ عالی صاحبِ عالم
لکھی اسے ذوق میں نے یہ توصیف | مع تاریخ ثانی رستم

قصیدۂ یازدہم

خسروا جلوہ ترا وہ طرب افزائے جہاں | کہ تجھے دیکھ کے ہو عید بھی قرباں قرباں

حکم دے تو جو شہا واسطے قربانی کے
قطعہ
سعد ذابح بھی کرے ایسا چھری کو بیّراں

گاؤ گردوں نہ فقط خوف سے اُس دم کانپے
بلکہ ہو زیرِ زمیں گاوِ زمیں بھی لرزاں

تو جو ہو حامیِ اسلام تو بتخانے میں
بُت کرے قصدِ نماز اور کہے ناقوس اَذاں

نیّرِ جاہ شب و روز ترا جلوہ فروز
مہرِ تاباں کبھی ظاہر ہے کبھی ہے پنہاں

قطرہ افشاں ہو اگر تیرا سحابِ ہمت
لیکے تنخے یں گہر بحر سے نکلے مرجاں

اور گہر بھی ہوں وہ خوش آب جبین دیکھے دُر
طرفۃ العین میں ہو کاہ ربا کو پرّاں

نطقِ شیریں ترا وہ ہے کہ ثنا میں اسکی
ق
تر زباں موجۂ دریا ہو اگر ایک زباں

آبِ دریا میں ہو یہ جوشِ حلاوت پیدا
لبِ دریا بھی بہم ہوکے ہوں دونوں چسپاں

اسقدر تابعِ فرماں ہے زمانہ تیرا
ہو نہ گلشن میں کبھی روئیدہ گلِ نافرماں

ہوکے سرسبز بہارانِ کرم سے تیرے
شاخ پر گل چمنِ دہر میں ہو شاخِ کماں

بلکہ حیرت کی نہیں جا کہ سرِ شاخِ خدنگ
روشِ غنچۂ گل ہو وے شگفتہ پیکاں

وہ ترا زورِ حمایت ہے کہ جسکے باعث
ناتوانوں کو بھی ہو دہر میں تاب و تواں

ہل سکیں نہ پھر جگہ سے کبھی گر باندھ رکھیں
ایک تارِ نگہ مور سے سو پیل دماں

دیگ مطبخ پہ ترے یہ فلکِ پُر انجم
کیا عجب صورتِ سرپوش ہو گر قطرہ فشاں

پھیل تیرا گل سوسن کا بڑا ایک انبار
گُلِ مہتاب کے گلدستے ہیں اسکے دنداں

اُس کی خرطوم کسی دلبرِ لیلیٰ وش کی
جسکی مشکیں ہے کہ ہے کاکلِ عنبر افشاں

لکھوں شوخی جو ترے توسنِ چالاک کی میں
اشہبِ خامہ بھی ہو موجِ رمِ برقِ جہاں

وقت کاوے کے دمِ معرکہ راکب اس کا
سرِ حاسد کو رکھے صورتِ گوئے چوگاں

اے فلک جاہ ترے در کے ہیں وہ ذرۂ خاک
جن سے خورشید چنے اپنی جبیں پہ افشاں

طبعِ رنگیں میں ترے وہ چمن لالہ و گل
روبرو جسکے ہے گلزارِ ارم خارستاں

عید تجھے تجھے ہر سال مبارک ہو وے
تجھ پہ ہو سایۂ حق اور ترے سائے میں جہاں

تیرے ہاتھوں نے کہاں ہو جو سعادت اندوز
کیا عجب ہے کہ ہو رشکِ ہما زاغِ کماں

قہر نازل ہو فلک سے جو ترے اعدا پر — چشمۂ مہر ہو مانند تنور طوفاں
اس طرح عدل سے ہے تیرے بہم آتش و آب — جس طرح آئنہ میں عکس رخ شعلہ رخاں
تیرے احساں سے ہر انساں ہے غلامی میں تری — سچ کہا ہے کہ الانسان عبید الاحسان
دل میں ہے جوش مضامیں تو نہایت لیکن — دل حوادث سے زمانے کے ہے بیتاب و تواں
ذوق کرتا ہے ثنا ختم دعا پر تیری — کیا لکھے وہ ترے اوصاف کہ قاصر ہے زباں

قصیدۂ دوازدہم

پائے نہ ایسا ایک بھی دن خوشتر آسماں — کھائے اگر ہزار برس چکر آسماں
ہے بادۂ نشاط و طرب سے لبالب آج — ایک عمر سے پڑا تھا تہی ساغر آسماں
دیکھے نہ اس طرح کا تماشا جہان میں — گر ہو تمام چشم تماشا گر آسماں
اترا رہا ہے عطر سے عیش و نشاط کے — سچ ہے زمیں پہ پاؤں نہ رکھے کیونکر آسماں
افراط انبساط سے ہے کیا عجب اگر — مثل حباب جامہ سے ہو باہر آسماں
شادی کی اُنکی دھوم ہے آج آسماں تلک — تابع زمانہ جس کا ہے فرمانبر آسماں
فرزند شاہ یعنی جواں بخت ذی وقار — تسلیم کو ہے جس کے جھکاتا سر آسماں
ہے اُس کی بارگاہ میں مانند چوبدار — حاضر عصائے کاہکشاں لے کر آسماں
اس بیاہ کی نوید سے ہے اس قدر سرور — ہے پیر پر جوانوں سے ہے بہتر آسماں
پھرتا ہے اہتمام میں شادی کے رات دن — مقدار کیا کہ ٹھہر سکے دم بھر آسماں
فرد حساب صرف سے اس بیاہ کے ہو کم — گو لاکھ جمع و خرچ کا ہو دفتر آسماں
تودون کی بخت کے طبع عالی میں اس قدر — ہے جس کا ایک تودۂ خاکستر آسماں
اس روشنی کی چند دکھا دیجیے بنجیاں — نازاں ہے آفتاب کے نیچے پرآسماں
ابر بہار دود چراغاں سے ہو پر تو — ہوں سات آسماں کی جگہ ستر آسماں
جشن قمر میں اور بھی ہو روشنی دہ چند — کاجل لگائے اُسکے دھوئیں سے گر آسماں
کر ڈالے پارہ پارہ فتیلوں کے واسطے — مہتاب کو سمجھ کے کہیں چادر آسماں

یہ کہنہ و سیاہ وہ خوش رنگ و نو بہ نو　　فائق ہو کیا سبوچہ ساجق پر آسماں
تھیلوں میں ہیں وہ نقل چڑھے اسکا عکس گر　　لے کہکشاں کی مانگ میں موتی بھر آسماں
آرائش ایسی اور وہ گلہائے رنگ رنگ　　ادنیٰ سا چمن میں غنچۂ نیلوفر آسماں
بنوائے اس میں پھول طلائی و نقرئی　　لے لے کے ماہ و مہر سے سیم و زر آسماں
نقارخانہ کی ہے چراغاں سے وہ شکوہ　　گویا ہے اک زمیں پہ بپا اختر آسماں

قطعہ

کرتا ہے رقص تخت پہ نقارخانے کے　　شہنائی کی صدا کو جو سن سن کر آسماں
آوازۂ دمامۂ نوبت سے گونج اٹھا　　وہ جو ہے آسمانوں کے ہے اوپر آسماں
دولہا دلہن کی ہے یہ علامت سہاگ کی　　آیا ہے اک سہاگ پڑا بن کر آسماں
جائے عجب نہیں ہے کہ عطر سہاگ کے　　شیشے کے شیشے بھر کے لنڈھا دے گر آسماں
یا رب ہمیشہ دولہا دلہن میں رہے سہاگ　　جب تک کہ ہووے نیچے زمیں اوپر آسماں
مہندی کے وصف لکھنے کے قابل نہیں کہ ہے　　نیلا سا ایک کاغذ بے مسطر آسماں
جو برج اس پہ اسکے ہوتا ہے وہ بلند　　لیکے ہے سر پہ مثل گل احمر آسماں
کرتا ہے رات کی شب شام سے نثار　　شبنم کی جائے صبح تک گوہر آسماں
پہنچے براتیوں سے شہر گہ ہجوم کو　　انجم سے لاکے جمع کرے لشکر آسماں
عیش و طرب کو مژدہ کہ کرتا جہاں میں ہے　　زہرا سے اب قران مہ انور آسماں
ہنگامہ بزم عشرت ثریا کے واسطے　　کیا کیا سجے ہے اوج شرف سے اختر آسماں
ہر بزم کی ہے نظر کے جلانے کے واسطے　　انجم سپند آگ شفق مجمر آسماں
جس وقت سہرا باندھ کے دولہا ہوا سوار　　کیا کیا بلائیں لیتا تھا جھک جھک کر آسماں
کرتا تھا ارض پاک کو دم پڑھ کے دم بدم　　دولہا کے سجدہ رخ روشن پر آسماں
ایسا نہیں جہاں میں کوئی نخل آرزو　　لایا ہو آج جس میں نہ برگ و بر آسماں
کرتا ہے شاخ خشک تمنا کو نخل سبز　　در پردہ مثل پردہ یادیگر آسماں

شادی کا اس کے نورِ بصر کی ہے اہتمام
کرتا ہے جس کا روز طوافِ در آسماں

وہ شاہ نامور کہ بہادر شہ اس کا نام
ہو حکم سے نہ اس کے کبھی باہر آسماں

وہ آفتاب اس کی تجلی جس سے آفتاب
وہ چتر اس کا جس سے نہو سپر آسماں

مطلع پڑھوں حضور میں وہ میں جیسے کہے
مطلع سے آفتاب کے کبھی بہرہ ور آسماں

مطلع ثانی

تجھ سا زمیں پہ دیکھ کے ہو فرخ فر آسماں
قرباں نہ کیوں زمیں کے ہو تجھ پر آسماں

دنیا میں ہوا ہے سارا عالم سدا مطیع
کرتا ہے ہمیشہ پاس ترا باور آسماں

نہ آسماں سے رتبہ ترا کیوں بلند تر
جس طرح کہ رہا ہے بالاتر آسماں

خطبے کے واسطے ترے نام بلند کے
گر مشتری خطیب ہو تو منبر آسماں

وہ بحر بیکراں ہے تری ہمت وسیع
ہے بلبلہ سا ایک کنارہ پہ آسماں

دریائے قہر تیرا جو طوفاں کرے بپا
ہو جائے مثلِ کشتیِ بے لنگر آسماں

قد ترے وہ راست قبائے علو جاہ
زیبندہ جس کے واسطے بالابر آسماں

تیری گہر فشانیِ دستِ کرم سے ہے
گویا کہ ایک دامنِ پرگوہر آسماں

چمکائے تیغ تیز کو اقبال گر ترا
ہو منفعل مثالِ ہلال تو پیشِ نظر آسماں

یوں دل میں تیرے جلوۂ ذاتِ محیطِ حق
آ جائے جیسے آئینے کے اندر آسماں

شہرت میں تیرا رخش فلک سیر کیا شتہا ہے
رفعت میں بھی ہے سہل جہاں پیکر آسماں

ثنا ہو کب ہو نہیں ترے شبدیز کے لئے
بنوائے ماہِ نو سے رکابِ زر آسماں

پہنچا نہ اسکی گرد کے انداز کو کبھی
کھاتا رہا زمیں پہ سدا اپنا آسماں

انجم نہیں کیا شمار ترے نعلِ سمند کے
ہے بلکہ تیرا گرد درو لشکر آسماں

قطعہ

مانا اگر بلندیِ شان و شکوہ میں
ہاتھی سے تیرے ہو بھی گیا ہمسر آسماں

پر اس کے نقشِ پا کے مقابل بنا سکے
چار آفتاب ایک جگہ کیوں کر آسماں

یہ ذوق کی دعا ہے کہ جبتک زمانے میں
منسوب ہر ستارے سے ہووے ہر آسماں
بزم نشاط و عیش رہے تیرے گھر میں روز
لائے ہمیشہ تیری مرادیں بر آسماں
مارے جگر میں حاسد بدخواہ کے ترے
تار خطوط ہالہ سے سو نشتر آسماں

قصیدۂ مسدّس دعائیہ

سر پر آرائے گردوں جبتلک سلطان خاور ہو
قمر دستور اعظم صدر اعلیٰ سعد اکبر ہو
عطارد میر منشی زہرہ ناظر آسماں پر ہو
زحل میر عمارت ترک گردوں میر لشکر ہو
سر ہفت آسماں جبتک کہ دور ہفت اختر ہو
الٰہی یہ بہادر شاہ شاہِ ہفت کشور ہو

رہے نام سلیماں تا نگین حکمرانی سے
رہے نام فریدوں تا درفش کاویانی سے
رہے دارا کو تا نام آوری تاج کیانی سے
سکندر تا ہو نامی سکۂ کشورستانی سے
ترا اے خسرو والا حشم عالم مسخر ہو
سریر سلطنت پر تو ہمیشہ دادگستر ہو

بخار ارض سے تا ابر ہوا اور ابر میں پانی
رواں پانی سے تا دریا ہوا اور دریا کو طغیانی
زمیں میں تا ہو کان اور کان میں ہو گوہر کانی
پئے جوہر ہو قیمت اور قیمت کو فراوانی
تری تیغ جوہر دار میں نصرت کا جوہر ہو
ترے قبضے میں بحر و بر گہر ہو کان پُر زر ہو

رہے تا عود کو آتش پر اور آتش کو مجمر میں
گل تر تا ہو گلداں میں تری ہو تا گل تر میں
رہے نافے میں مشک اذفر اور یہ مشک اذفر میں
صدف میں تا ہو گوہر اور رہو تا آب گوہر میں
ترے ابر کرم سے باغ عالم تازہ و تر ہو
شمیم خلق سے تیری جہاں یکسر معطر ہو

دلیل رہبری میں خضر ہو جبتک ہدایت فن
سہارا ہووے تا بحر غریق الیاس کا دامن
رہے ادریس تا قطع تعلق سے جناں مسکن
مسیحا کا ہو بالاخانہ تا خورشید سے روشن
چراغ عمر سے تیری جہاں سارا منور ہو
فروغ اسلام کو ہو رونق دین پیمبر ہو

شفق گلگونہ ہو جبتک سحر کے روئے نیکو کو
کرے آراستہ تا شام اپنے موئے گیسو کو
ثریا زیور تن تا کہکشاں کے ہووے بازو کو
کرے وسمے سے تا قوس قزح سبز اپنے ابرو کو

لب پانخوردہ دشمن کے لہو سے تیرا خنجر ہو
سر بدخواہ فندق تیری انگشت ستاں پر ہو

گلستاں میں ہو تا گل او گل سے شاخ ہو زیبا
نیستاں میں ہو تا نے اور نے سے نغمہ ہو پیدا

نہالِ تاک میں انگور ہو انگور میں صہبا
نشہ صہبا میں ہو اور ہو نشہ جب تک نشاط افزا

شراب عیش سے خالی کبھی تیرا نہ ساغر ہو
ہمیشہ جشن جمشیدی سے تیرا جشن بہتر ہو

رہے تا کام دینداروں کو احکام شریعت سے
خوشی تا حاجیوں کو ہووے کعبہ کی زیارت سے

رہے تا عابدوں کو شوق محراب عبادت سے
نمازِ اہل سنت تا ہو مسجد میں جماعت سے

ترا خطبہ میں ہو نام اور خطبہ زیب منبر ہو
ترا حامی ابو بکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ ہو

قلم تا راستی پیشہ رہے اور کاغذ صفا آئیں
قلمزن تا ہو مشک افشاں کاغذ خط سے مشک آگیں

زباں پر تا سخن ہو اور سخن بین معنے رنگیں
سخن تا داد چاہے اور تا اہل سخن تحسیں

ترا مداح دائم خسروا ذوق سخنور ہو
ہمیشہ تہنیت خواں ہو دعا گو ہو ثنا گر ہو

اشعار متفرقات قصائد و قطعات وغیرہ مخمسات

مطلع

لکھتے ہیں کس کی تہنیت عید مدح خواں
آراستہ ہوا جو قلمدانِ آسماں

نا تمام

عہد میں تیرے نکالے دانت گر بین ستم
کام لے زنبور کا خامہ سے دست معدلت

گر پڑے پاؤں پہ تیرے مہر اگر سایہ دار
آفتابی ہے جو تو کہدے کہ اسکو رد کر مت

فصل گل آج ہے وہ سلطنت آرائے طرب
کہ ملا باغ میں بلبل کو ہزاری منصب

ہے اگر لیلی سیاہی تو ورق عذرا عذار
خط ترا شیریں ہے شاہا اور قلم شاخ نبات

ہو گیا خورشید مالا مال دو نہیں نور سے
دی جو تو نے دولت انوار دانش کی زکات

ہاتھ میں بندوق لے جس وقت تو بہر شکار
شہر گردوں کو ہو مشکل ہاتھ سے تیرے نجات

ناتمام

پر نہیں پر ترا توسن وہ پری سان پران
سیر گہ جسکی ہے اک قاف سے لیکر تا قاف
ہو قوی دست ترے زور سے اسلام اگر
کھینچے شمشیر سر کفر پہ پھر مرکز کاف
پاتا گرداب سے ہے گردہ نان آبی
تیری بخشش سے جو دریا کا سین ہی کفاف
دست ہمت نے تری کھوئی ٹکے کی یہ قدر
چٹکیوں میں ہیں اڑاتے اسے کیا کیا صراف

فرد

دیتا ہے تیری فوج میں نقارہ جب فلک
آتا ہے صاف چوب کی صورت نظر ہلال
تا نسر طائر ایک پرندہ نہ بچ سکے
منظور تجھ کو جبکہ شکار پرند ہو

مطلع قصیدہ مدح حضرت بادشاہ اکبر شاہ جنت آرامگاہ

نام کو اللہ اکبر کیا ترے توقیر ہے
داخل ہر بانگ ہے تا قل تکبیر ہے

ناتمام

کروں اگر رقم تہنیت کا آج آہنگ
تو نکلے میرے قلم سے صدائے بربط و چنگ
ترا وہ زور رعایت ہے پاؤں کو اپنے
کرے ہے شیر کی چربی سے مالش آہوئے لنگ
شہا ترے رخ روشن کو کس سے دوں تشبیہ
کہ مہر و مہ کو گہن لازم آئینہ کو ہے زنگ

مطلع

ہیں وہ نعلین خسروا تیرے سر اورنگ گل
جن پہ کھاتا ہے چمن میں تختۂ اورنگ گل

ناتمام

کرے ہے مہر علی صاف دل کو پر انوار
طلوع شمس پہ موقوف ہے وجود نہار
علی سے کیونکہ نہ ہو زیر لشکر کفار
علی ہے شکل علی اور علی ہے حرف جار

مخمس در مدح

خسروا چڑھ کے سر گنبد دوار ہلال
خود لب عجز سے کرتا ہے یہ اقرار ہلال

حاضرِ خدمتِ عالی ہے بہرکارِ ہلال — گرز بردار ہے خورشید کماندارِ ہلال
آسماں لے کے سپر چلتا ہے تلوارِ ہلال
دستِ ہمت ترا خورشید سے ہے بالاتر — تیری بخشش سے ہی نیساں عرقِ شرم میں تر
آئیں تیرے درِ دولت پہ گدا یا نہ اگر — اپنے کاسے میں بھرے چرخ وہیں لعل و گہر
اور کشتی میں بھرے درہم و دینارِ ہلال
ذوق کرتا ہے سخن تیری دعا پر کوتاہ — عید ہر سال ہو فرخ تجھے با حشمت و جاہ
تیری دولت سے ہوں خورشید ترے دولتخواہ — اور جو حاسد ہیں ترے واسطے انکے ہر ماہ
چرخ پر تیز کرے خنجرِ خونخوارِ ہلال

قصیدہ ناتمام در منقبت

لکھوں جو میں کوئی مضمون ظلم چرخ بریں — تو کربلا کی زمیں ہو مری غزل کی زمیں
یہ حال ہے مرا ضعف دماغ سے کہ مجھے — صدائے صور قیامت ہے ہر مگس کی طنیں
زمانہ عربدہ پرداز و بخت بد ناساز — ستارہ بر سر پرخاش و چرخ بر سر کیں
عجب نہیں ہے کہ راہب خط چلیپا سے — بنا دے تیرے طویلے کے واسطے خر زیں

ناتمام

پیری میں پر سرور ہے جام شراب ناب — پائے فروغ صبح سے جیسے نور آفتاب
تائب نہ ہو تو اس سے کہ ڈاڑھی ہوئی سفید — کر غور ہے سپید کشتی کہ ہو سیر ماہتاب
ہے پیر دل شکستہ کی ہوا پر بقائے عمر — یہ برف وہ نہیں جسے پگھلا دے آفتاب
جو دم ہے زندگی کا غنیمت سمجھ اسے — گردش ہے آسماں کو نہ اپنے کو انقلاب
ورنہ گرے چمن کو گریہ مستانہ سیراب — پھولوں سے بلبلوں کے ہو پیدا وہ شور شباب
جاگ اٹھیں وہ جو خواب عدم میں ہیں ہوشمند
ہستی میں گر بلند ہو میری صفیر خواب

مدح

کرتا ہے روز و شب کو برابر شہنشہا
میزانِ عدل سے تری میزانیں آفتاب

خورشید کھینچتا ہے جو برجِ اسد پہ تیغ
چاہے ہے شیرِ جنگ وہ تجھ سے مگر خطاب

ناتمام

ساون میں دیا لو مہِ شوال دکھائی
برسات میں عید آئی قدح کش کی بن آئی

کرتا ہے ہلال ابروِ پرخم سے اشارہ
ساقی کو کہ بھر بادہ سے کشتی طلائی

کوندے ہے جو بجلی تو یہ سوجھے ہے نشے میں
ساقی نے ہے آتش پہ مے تیز اڑائی

پہنچا ملکِ لشکرِ باراں سے ہے یہ زور
ہر نالے کی ہے دشت میں دریا پہ چڑھائی

کیا ساغرِ زریں کو کیا جلد مہیا
ساقی نے تو سرسوں ہے ہتھیلی پہ جمائی

کرتی ہے صبا آکے کبھی غالیہ بیزی
کرتی ہے نسیم آکے کبھی لخلخہ سائی

رخسارِ گل چیں کا ہے سرخی سے یہ عالم
جوں وقتِ غضب چہرۂ ترکانِ خطائی

سردی حنا پہنچی ہے عاشق کے جگر تک
معشوق کا گر ہاتھ میں ہے دستِ حنائی

مطلع در مدح

یوں کرسیِ زر پر ہے تری جلوہ نمائی
جس طرح سے مصحف ہو سرِ رحل طلائی

مانع جو ہوا دست درازی کو ترا عدل
پروانے کو پھر شمع نے انگلی نہ لگائی

سہرا

اے جواں بخت مبارک تجھے سر پر سہرا
آج ہے یمن و سعادت کا ترے سر سہرا

آج وہ دن ہے کہ لائے درِ انجم سے فلک
کشتیِ زر میں مہِ نو کی لگا کر سہرا

تابشِ حسن سے مانندِ شعاعِ خورشید
رخِ پرنور پہ ہے تیرے منور سہرا

وہ کہے صلِّ علیٰ یہ کہے سبحان اللہ
دیکھیں مکھڑے پہ جو تیرے مہ و اختر سہرا

تا بنے اور بھی مین رہے اخلاص بہم
گوندھے سورۂ اخلاص کو پڑھ کر سہرا

دھوم ہے گلشنِ آفاق میں اس سہرے کی
گائیں مرغانِ نواسنج نہ کیوں کر سہرا

روئے فرخ پہ جو ہیں تیرے برستے انوار
تار بارش سے بنا ایک سراسر سہرا

ایک کو ایک پہ تزئیں ہے دمِ آرائش
سر پہ دستار ہے دستار کے اوپر سہرا

اک گہر بھی نہیں صدکانِ گہر میں چھوڑا
تیرا بنوایا ہے لے لے کے جو گوہر سہرا

پھرتی خوشبو سے ہے اترائی ہوئی بادِ بہار
اللہ اللہ رے پھولوں کا معطر سہرا

سر پہ طرہ ہے مزین تو گلے میں بدھی
کنگنا ہاتھ میں زیبا ہے تو سر پر سہرا

رونمائی میں تجھے دے مہ خورشید فلک
کھول دے منہ کو جو تو منہ سے اٹھا کر سہرا

کثرتِ تارِ نظر سے ہے تماشائیوں کی
دمِ نظارہ ترے روئے نکو پر سہرا

در خوش آب مضامیں سے بنا کر لایا
واسطے تیرے ترا ذوق ثنا گر سہرا

جس کو دعویٰ ہو سخن کا یہ سنا دے اس کو
دیکھ اس طرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا

رباعیات مدح

شاہا تجھے با دولت و بخت فیروز
فرخ ہو سدا جہاں میں جشن نوروز
ہووے شرف اندوز ترے طالع سے
ہر سال حمل میں مہرِ عالم افروز

رباعی

خورشید سے اک روز جہاں میں نوروز
اور تجھ سے جہاں روز مسرت اندوز
ہے تجھ کو زمانے میں شرف دوازدہ ماہ
اور ہے مہرِ جہانتاب کو یک ماہ یک روز

رباعی

کہتا ہے یہ فیروزی رنگ نوروز
تو ہو صفِ اعدا پہ مقرر فیروز
ہو دشمنِ سرکش کیلئے سہم الموت
اے شاہ عدو کش ترا تیرِ دل دوز

قطعہ

دعا ہے ذوق کی ہو خلعتِ ولیعہدی
مبارک آپ کو با آفتابی و کرسی
یہ آفتابی و کرسی خدا کرے فرخ
بحق سورۂ والشمس و آیۃ الکرسی

اشعار قصیدہ

آسکتی تیری طبع موزوں کے ہو اک فعل عبث ۔۔۔ یہ جو کرتے ہیں عروضی فاعلاتن فاعلات
فیض سے تیرے نہ کیونکر اک جہاں سرسبز ہو ۔۔۔ ذات ہے تیری شہا سرچشمۂ آب حیات

اشعار قصیدہ ہفت زباں

جب کہ سلطان واسد مہر کا ٹھہرا مسکن ۔۔۔ آب و ابلولہ ہوئے نشو و نمائے گلشن
جو شہ ... کی سبزہ ... یاد آئی ... ۔۔۔ آیت انبتہ اللہ نباتا حسنا
جس طرح شعلہ کا عالم ہو بفانوس خیال ۔۔۔ خوف سے یوں ترے لرزاں ہے عدو زیر کفن

فرد

گرہ اوپرا ... ہیں گر آتش و آب و خاک و باد ۔۔۔ چاہئے ... آج ہر آتش و آب و خاک و باد

فرد

تا کہ ... رہو وشاق پرست ہوں ہاتھ ۔۔۔ چھوڑ دیں شرک پوجنا آتش و آب و خاک و باد

DUE DATE

ذخیره ۸۹۱۲۴۳۱۶

رقیه مدنی

۳۲۰۸۶

Date	No.	Date	No.